

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَسَلَّمَ
عَلَيْهِ
وَأَلْحَمَهُ

خصائل نبوی

کاد لاویز منظر

تالیف

عبدالقیوم حقانی

اقلام اکمڈی • جامعہ الامیریہ

خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَسْأَلُ
عَلَى سَمْعِ
صَلَّى اللَّهُ

خصائل نبوی

کادراؤنیر نیرظ

تالیف

محمد تقی عثمانی

القلم اکیڈمی جامعہ اسلامیہ

عالم آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد پاکستان

سلسلہ: ۷

خصائلِ نبوی ﷺ

کا دلاویز منظر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبدالقیوم حقانی

حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات، عفو و درگزر، رضا بالقضاء، خدام کی دلداری و خاطر داری، اکرامِ ضیف، وسعتِ اخلاق و سخاوت، بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ، کھر درے بستر کو ترجیح، تواضع و عبدیت، لکڑیاں جمع کرنا، سادگی و فروتنی، طاہری جمال کے ساتھ عظمت و جلال، تعلیم و تربیت کے اہداف، دربارِ نبوت علم و خدمت کا مرکز، درسگاہِ نبوی کے فضلاء، مجالسِ نبوت کے مختلف مناظر، ہاتھوں کی ملائمت، جود و عطا کے مراتب، مقامِ حیا، حیا کا اکمل نمونہ، معالجہ اور سچھنے لگوانا، ہدیہ لینا اور بہترین بدل دینا، الغرض شمائلِ ترمذی کے سینتیس (۳۷) احادیث کی عالمانہ، محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح و توضیح کا حسین مرقع

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

فون و فیکس ! 0923(630237)630094

Marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ”القاسم اکیڈمی“ محفوظ ہیں

نام	:	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
تصنیف	:	عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	166 صفحات
پروف ریڈنگ	:	استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمن رکن القاسم اکیڈمی
تاریخ اشاعت	:	رمضان ۱۴۲۶ھ / اکتوبر 2005ء
تعداد بار اول	:	1100
قیمت	:	
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر پارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد بسیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمن راشدی، جامعہ ابوہریرہ چنوں موم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

صفحہ	نام کتاب
۱۶۰۸	شرح شمائل ترمذی (۳ جلد مکمل)
۲۰۶	جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر
۱۵۶	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں
۲۱۰	ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضو افشائیاں
۲۰۲	آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں
۱۹۷	محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں
۱۸۷	محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال
۱۶۶	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
۱۵۳	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون و فیکس ! 630094 --- (0923)630237



ہر ذرہ تیرے کوچے کا آنکھوں سے لگا لوں
ممکن ہے کسی پر تیرا نقشِ کفِ پا ہو



مجھ کو کچھ ہوش نہیں ہے میری منزل ہے کہاں
قدمِ شوق مگر ہیں کہ اٹھے جاتے ہیں



عارتی اپنی ان آہوں کا اثر ہو کہ نہ ہو
اپنے کرنے کا ہے جو کام کیئے جاتے ہیں





فہرستِ مضامین

خصائلِ نبوی ﷺ کا دلآویز منظر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳	باب! حضورِ اقدس ﷺ کی انکساری کے بارے میں	۱۱	مقدمہ
۲۳	تواضع کا معنی اور تشریح		باب ماجاء فی فراش
۲۴	حضورِ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے	۱۷	رسول اللہ ﷺ
۲۴	حضورِ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا		باب! حضورِ اقدس ﷺ کے بستر کے بارے میں
۲۴	چند متواضعانہ اعمال		حضور کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ
۲۶	مدیح رسول میں حد سے تجاوز ممنوع ہے	۱۸	کھر درے بسترے کو ترجیح
۲۷	مقامِ عبدیت و رسالت	۲۱	باب ماجاء تواضع
۲۹	ایک بے وقوف خاتون کی حاجت بر آری		رسول اللہ ﷺ
۲۹	کمالِ تواضع کی انتہاء		
۳۰	ایک خاتون جس کیلئے آپ نے اپنی چادر بچھائی	۲۳	
۳۰	اخذ مسائل		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵	کھڑے ہونے کی چار قسمیں ---	۳۱	مریض کی عیادت ---
۴۶	تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ	۳۲	ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام
۴۶	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق ---	۳۳	عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں ---
۵۱	حدیثِ باب اور محدثین کا وتیرہ ---	۳۴	جنازہ میں شرکت ---
۵۲	تحصیلِ علم میں فضل و تفوق کی مساعی محمود ہیں	۳۴	گدھے پر سوار ہونا ---
۵۲	ظاہری جمال کے ساتھ عظمت و جلال	۳۵	دعوت قبول فرمانا ---
۵۳	تقسیمِ اوقات کا اہتمام ---	۳۷	بنو قریظہ ---
۵۴	امت کیلئے ایثار و وقت کی ایک نادر مثال	۳۸	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ---
۵۴	خاص وقت بھی خواص کیلئے وقف کیا تھا	۳۹	سادگی اور فروتنی کی انتہاء ---
۵۵	نبوی تربیت کے اہداف ---	۴۰	اخذِ مسائل ---
۵۵	نصیحت و ہدایت میں سخاوت ---	۴۰	بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب
۵۵	خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام -	۴۱	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح ---
۵۶	فرقِ مراتب ---	۴۱	تواضع و عبدیت کا اظہار ---
۵۷	جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام	۴۲	ریا و شہرت سے حفاظت کی دُعا ---
۵۷	مراتبِ استحقاق میں تفاوت ---	۴۳	صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ ---
۵۸	علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب ---	۴۴	حضور اپنے لئے کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے
۵۹	غائبین کی فکر ---	۴۴	تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے ---
۶۰	خدمتِ علم و خلق کا اجر و ثواب ---	۴۵	محققین کی رائے ---

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۶	ابو نعیم کی روایت -----		باب ماجاء فی خلق
۹۶	رضا بالقضاء -----		رسول اللہ ﷺ
۹۸	سیرت وسوانح کا عظیم باب ----	۸۶	باب! حضور اقدس ﷺ کے
۹۸	حضرت انسؓ کی عظمت ومقام ---		اخلاق وعادات کے بیان میں
۹۹	اخلاق حمیدہ -----		لفظِ خلق کی تشریح
۹۹	مبارک ہاتھوں کی ملائمت -----	۸۶	حسنِ اخلاق -----
۱۰۰	حدیث مسلسل بالمصافحہ -----	۸۶	بیان شمائل کیلئے صحابہ کرامؓ کا سوال
۱۰۱	وجود مسعود کی مبارک خوشبو -----	۸۸	کاتبین وحی -----
۱۰۵	ترکِ مواجہت بھی مصلحت تھی --	۸۹	صحابہ کرامؓ کی دلداری وخاطر داری -
۱۰۶	فاحشاً و متفحشاً کی تشریح --	۹۰	آخری جملہ کا مفہوم -----
۱۰۶	ملا علی قاریؒ کا ارشاد -----	۹۲	کریمانہ اخلاق کی انتہاء -----
۱۰۷	شور و شغب سے مکمل اجتناب ---	۹۲	عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب
۱۰۷	برائی کے بدلے برائی نہ کرتے --	۹۳	عمرو بن العاصؓ کی اپنے سوال پر ندامت
۱۰۸	عفو در گذر -----	۹۳	حضرت انسؓ خدمتِ نبویؐ میں ---
۱۱۳	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح -----	۹۵	ناگوار امور پر اُف تک نہ کہا ---
۱۱۳	اپنی ذات کیلئے انتقام نہ لیتے -----	۹۵	مولانا عبدالحقؒ اتباعِ سنت کا کامل نمونہ
۱۱۴	اسهل الامرین کو اختیار کرنا ---		
۱۱۵	”رجل“ کون تھا -----		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۳	ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا۔	۱۱۶	دفع مضرت کیلئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے
۱۳۵	اخذوا استنباط	۱۱۸	مدارات اور مدہنت کا فرق
۱۳۶	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۱۱۸	اصول جرح و تعدیل
۱۳۷	ہدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا	۱۲۱	جمال محمد کا حسین منظر
۱۳۷	تنبیہ	۱۲۵	دو عبارتوں کا فرق
	باب ماجاء فی حیاء	۱۳۱	کمال سخاوت کی دلیل
۱۳۸	رسول اللہ ﷺ	۱۳۲	سوال و جواب
	باب! حضور اقدس ﷺ کی	۱۳۳	مراتب جو دو سخا
	حیاء کے بیان میں	۱۳۳	ماہ مبارک میں سخاوت
	حیاء کی فضیلت و اہمیت	۱۳۵	حضرت جبرائیل کے ساتھ قرآن کا دور
۱۳۹	حیاء کے اقسام	۱۳۶	بے انتہاء سخاوت
۱۵۰	حضور اقدس ﷺ کا مقام حیاء	۱۳۶	صحبت صالحین
۱۵۱	شیخ عبدالرؤف کا ارشاد	۱۳۷	اخذ مسائل
۱۵۲	جب حضور کو کوئی بات ناگوار ہوتی۔	۱۳۸	ذخیرہ اندوزی سے احتراز
۱۵۳	حیاء کامل کا اکمل نمونہ	۱۳۸	ایک شبہ اور اس کا جواب
		۱۴۱	قرض دلوا کر مسائل کی حاجت پوری کر دیتے
		۱۴۲	جو دو سخا کے واقعات
		۱۴۳	حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری



مُقَدِّمَةٌ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة

”چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخِ نادرہ کارنے کبھی کبھی بزمِ عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہرنے کروڑوں برس صرف کئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشمِ براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزمِ آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیوں، مہ و خورشید کی فروغِ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ، اسی لئے تھی کہ یہ متاعِ ہائے گراں بہا تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کے دربارِ گہر بار میں کام آئیں گی۔

”آج کی صبح وہ صبحِ جہاں نواز، وہ ساعتِ ہمایوں، وہ دورِ فرخِ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، نفرت و کدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، شبستانِ حیات جگمگا اٹھی، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا، ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی، نطقِ عیسیٰؑ کی تبشیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتابِ افق سے نکلا، جمعیتِ خاطر اور اطمینانِ قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظامِ دستور کی کمی پوری ہوگئی۔

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک و ہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی کے ہیں۔ شبلی نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایہ ادب و انشاء لا کر بارگاہ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشن عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جہاں بہار کے حضور نذر کر دیئے ہیں اور اپنے میکدہ دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونق بزم کے نام پر لٹکا دیا ہے۔ شبلی نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم و نثر کے جواہر پارے اکٹھے کئے۔ ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جا کر سرورِ کائنات کی جناب میں لٹا دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ و مشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگا دی۔

ایک شبلی پر کیا موقوف اس بارگاہ عرش پایگاہ میں غزالیؒ اپنی تلقین، رازیؒ اپنا بیچ و تاب، فارابیؒ اپنی حیرت، بوعلی سیناؒ اپنی حکمت، رومیؒ اپنا سوز و ساز اور قدسیؒ اپنا انداز نثار کر بیٹھے، آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جام جہاں نمابلا تکلف سفالِ مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و اسکندر اپنے تاج سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدارِ ”الفقر فخری“ کی سرکار میں جنید و بایزیدؒ بھی اونچی سانس نہ لے سکے۔ وہ بارگاہِ عالم پناہ جہاں طائرِ سدرہ نشین مرغِ سلیمان عرب بن کر مژدہ بلیقیس شفاعت لائے۔ اس ذات کی محفلِ قدس کا کیا کہنا جس کا دو چراغ ہمیشہ غازہ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل و ریحان لوٹ خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمہ بقاء کی حد کمال کہاں کہ جس کے تلوؤں کا دھوون آبِ حیات بن گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سورنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ ع تو کائناتِ حسن ہے یا حسن کائنات

جناب رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخنے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ عفو و رحمت کا پیغمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کار فرما رہی۔

0

انقلابِ فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلابِ فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلابِ فرانس سے پھوٹا، مگر اس دورِ انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا ہتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ ”پھانسی گھر“ بن گیا، گیلو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زد عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلاشبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکانی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دور حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے تین بستے جہنم کے چرچے شکستِ روس تک عام رہے کچھ پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباس عصمت تارتا رہا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں دھت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شعلہ بنا اور یہ شعلہ آگ کا وہ الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہو گئے اور اتنی ہی تعداد زخم چاٹنے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں ”کیمف“ یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔ چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی ”افادیت“ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

----- 0 -----

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلابِ محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سوریا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پستے نہیں لگائے بلکہ حسن و محبت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ قافلہ انقلاب دارِ ارقم سے نکل کر فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیت سے گذر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نخلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرف انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانی کتنی ”پرستیاں“ انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جدا گانا طرز پرستش۔ عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر بجزویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادرکش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظام عدل و انصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملو کی تھی۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدہ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدت انسانی کا سنگ بنیاد نصب فرما دیا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا حتیٰ کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی، گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑادی۔

0

قبائلی عصبيت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبيت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقام انسانیت سے آگاہ کیا جاسکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، فنڈامنٹل رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں، نئے نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیوسوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال ہوتا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگھم پر وہ ذات ستودہ صفات تشریف فرمانہ ہوتی جس نے عہد قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصر جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ آئیے کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلہ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر معنی دیر یاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر

جاری رکھنا پڑے گا، حرف و لفظ کے اسیر جلو تیان مدرسہ اور تہی سب و خلوتیان میکدہ کو اتنی جلد فیضان انقلاب محمدی کے تمام پہلوؤں کا ادراک حاصل نہیں ہو سکے گا۔ زمانہ ابھی کئی کروٹیں لے گا، صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے، غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل پڑے ہیں اور شعور انسانی کو مزید مصفیٰ اور مجلیٰ ہونا ہوگا، تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ :

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں ، تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا ، تو نے طلوع آفتاب

0

اس عظیم پیغمبر انقلاب کے خصائل اور اخلاق کیا تھے؟ شرح شمائل ترمذی اس کا علمی و تحقیقی جواب ہے جس کے چھوٹے اجزاء میں سلسلہ طباعت کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات، عفو و درگزر، رضا بالقضاء، خدام کی دلداری و خاطر داری، اکرام ضیف، وسعت اخلاق و سخاوت، بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ، کھر درے بستر کو ترجیح، تواضع و عبدیت، لکڑیاں جمع کرنا، سادگی و فروتنی، ظاہری جمال کے ساتھ عظمت و جلال، تعلیم و تربیت کے اہداف، دربار نبوت علم و خدمت کا مرکز، درس گاہ نبوی کے فضلاء، مجالس نبوت کے مختلف مناظر، ہاتھوں کی ملائمت، جود و عطا کے مراتب، حیاء کی فضیلت و اہمیت اور آپ کا مقام حیاء، حیاء کا اکمل نمونہ، معالجہ اور سچپنے لگوانا، ہدیہ لینا اور بہترین بدل دینا، الغرض شمائل ترمذی کے سینتیس (۳۷) احادیث کی عالمانہ، محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح و توضیح کا حسین مرقع ہے۔ مہبان رسول ﷺ کے لئے تحفہ عشق و محبت۔

چھین لے مجھ سے نظر آئے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

عبدالقیوم حقانی

۷ رمضان ۱۴۲۶ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنی مفروش کے ہے، جیسے کتاب بمعنی مکتوب کے ہیں، اس کی جمع فرش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ و يقال له ايضاً فرش من باب التسمية بالمصدر، وقد ورد في صحيح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضيف و فراش للشيطان و انما اضافه للشيطان لانه زائد على الحاجة منموم و قيل لانه اذا لم يحتج اليه كان مبيته و مقيله (مواہب ص ۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورت اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا مبيت (بيتوتہ کی جگہ) اور مقيل (قيلولہ) کی جگہ ہے) حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے ٹاٹ اور بوريا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے۔ الشيخ يوسف بن اسماعيل النهماني فرماتے ہیں ”حضور نبی کریم ﷺ

کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم و بیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً، آپ دنیاوی ساز و سامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عنایت فرمائی تھیں، مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی، ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لئے بستر بچھا دیا، تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا، تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ آدَمَ حَشْوُهُ لَيْفٌ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطے سے نقل کی اور انہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۵۹۶) علی بن مسہر کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سید دو عالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیش نظر اپنی امت کو عبادت، زہد، ریاضت، محنت، مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمتِ خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 عیش و آرام اور تنعم کی زندگی ترک فرمادی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہتی نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بسترہ دیکھا جو چمڑا کود ہرا کر کے بچھا رکھا تھا فبعث الی بفراش حشوہ صوف وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضرت ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا، فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بسترہ دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ واللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذهب والفضة

”اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے“ یعنی خوب آرام، عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں، مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو بیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت و آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمد اور ابوداؤد الطیالسی نے عبداللہ بن مسعود سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے فاشرفی جنبہ آپ ﷺ کے جسم اطہر و اقدس پر اس بورے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا:

”مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح و ترکھا“
 ”مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کر لے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے۔“

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبھانی امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسم مبارک پر بورے کے نشان نظر آ رہے تھے۔ حجرہ کی یہ

حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو روپیہ آ رہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گذر بسر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابن خطاب! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔“ شرح سنہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ یركب الحمار العری و یجیب دعوة المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض ”برہنہ گدھے پر سواری فرماتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے“ (شرح غوثیہ ۲۲۱ تا ۲۲۳)

الادم، ادیم کی جمع ہے وہو الجلد الملبوغ، او الاحمر، او مطلق الجلد ولعل الخشونة كانت تساعده علی قلة النوم، لأن الفراش الوثیر یساعد علی كثرة النوم و هذا دلیل الزهادة الحقیقیة فان قدرته او سع من ذلك بكثير (اتحافات ص ۳۵۳) (ادیم کا معنی رزگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھر دراپن سختی نیند کی قلت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم و ملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق و معاون ہوتا ہے اور یہی چیز دراصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی طاقت و قدرت میں اس سے زیادہ قیمتی و ملائم کی بھی وسعت ہو سکتی تھی)۔

(۳۱۵/۲) حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَيْمُونٍ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ فِرَاشَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكَ قَالَتْ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهُ لَيْفٌ وَ سَأَلْتُ حَفْصَةَ مَا كَانَ فِرَاشَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكَ قَالَتْ مِسْحًا نَثِيهِ نَثِيَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ لَوْ نَثِيْتُهُ أَرْبَعَ نِيبَاتٍ لَكَانَ أَوْطَاءَ لَهُ فَتَثِيْنَاهُ لَهُ بِأَرْبَعِ نِيبَاتٍ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُونِي اللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ إِلَّا أَنَا نَثِيْنَاهُ بِأَرْبَعِ نِيبَاتٍ قُلْنَا هُوَ أَوْطَاءُ لَكَ قَالَ رُدُّوهُ لِحَالَتِهِ الْأُولَى فَإِنَّهُ مَنَعْتَنِي وَطَأْتَهُ صَلَاتِي اللَّيْلَةَ -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں ہمیں ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطے سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرہ کا بسترہ تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھر درے بستر کو ترجیح :

المسح بکسر المیم ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوتا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل و ہو کساء خشن من صوف۔

(اتحافات ص ۳۵۴)

مضمون حدیث تو ترجمہ الباب میں واضح کر دیا ہے : حضور سید دو عالم ﷺ نے اپنی امت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بسترے، یہ آرام و آسائش، یہ تنعم دنیوی تمہیں یادِ الہی، نماز اور تہجد سے بے پروا غافل نہ کر دیں۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بسترہ استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نماز تہجد کہیں نہ پڑھی جاسکے۔ آج ہمیں سرورِ انبیاء، شفیقِ امت، پیغمبرِ اسلام ﷺ کی اس سنتِ مبارکہ کو زندہ کرنا چاہئے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور آپ بوریئے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں وَمِنْ هُنَا نَسْتَفِيدُ كَيْفَ أَنْ لِيْنَ الْفِرَاشِ كَادَ يَمْنَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّهْجُدِ وَإِذَا كَانَ الرَّسُولُ وَهُوَ الَّذِي تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ يَخْشَى الْفِرَاشَ الْوَثِيرَ فَكَيْفَ بِنَا حُنَّ؟ إِنَّ الْكَثِيرَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَفْرَحُ إِذَا اسْتَغْرَقَ فِي النُّوْمِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ إِلَى آخِرِهِ وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْكَثِيرِ يَحْزَنُ إِذَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْفِرَاشَ الْوَثِيرَ إِنَّا نَنْفَعُ الْيَوْمَ فِي السَّرْرِ وَالسَّتَائِرِ وَالنَّمَارِقِ نَاسِينَ الْبَسَاطَةَ الْحَلْوَةَ وَالسَّنَّ الْكَرِيمَةَ۔ (اتحافات ص ۳۵۵) (اور ان احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا۔ اور جب کہ نبی کریم کی ذاتِ اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سو جاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم و ملائم بستر کا سبب غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہوگی۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخر رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم و ملائم اور آسائش و آرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان و غمگین رہتے ہیں ادھر آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت، پلنگ، صوفہ سیٹ گاؤتکیے، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل، درمی، ٹاٹ، فرش زمین) وغیرہ کی میٹھی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں۔

83962

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضِعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنی اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل، عاجزی، فروتنی، انکساری اور خشوع ہے۔ و عند الصوفية تذلل القلوب لعلام الغيوب بالتسليم لمجاری احكام الحق (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور صوفیاء کرام کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکام حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضى جاهه ، و تنزله عن مرتبة أمثاله و عند المحققين : التواضع هو : أن لا يرى العبد لنفسه مزية و يرى الحالة التي هو فيها اعظم من أن يستحقها و سئل أبو يزيد : متى يكون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم ير العبد لنفسه مقالا و لاحالا۔ (اتحافات ص ۳۵۶) (تواضع کا معنی عرف عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبہ کے مقتضی سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے۔ حضرات صوفیاء کرام کہتے ہیں، تواضع میں کمال تب آتا ہے جب تجلی شہود میں کمال حاصل ہو۔

علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض العارفين "لا يبلغ العبد حقيقة التواضع الا اذا دام تجلج الشهود في قلبه" (مواہب ص ۲۳۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلی شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے :

شیخ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبریٰ وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب رو تھے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدسؒ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا :

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور اقدسؒ نے فرمایا، فقال علی جمع الحطب یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے فقالوا یا رسول اللہ نکفیک العمل صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت ! یہ کام تو ہم خود کر لیں گے فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکرہ ان اتمیز علیکم و ان اللہ یکرہ من عبده ان یراہ متمیزا بین اصحابہ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) حضور اقدسؒ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کر لو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال :

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں لم یاکل متکاً بعد حتی فارق الدنيا و قال

اجلس كما يجلس العبد و اكل كما ياكل العبد و لم يقل لشيء فعله خادمه
انس اف قط وما ضرب احدا من عبده و امائه وهذا امر لا يتسع له الطور البشرى
لولا التأييد الالهى و عن عائشة انها سئلت كيف كان اذا خلا فى بيته قالت ألين
الناس بساما ضحا كما لم يرقط مادا رجليه بين اصحابه و عنها ما كان احد احسن
خلقا منه مادعا احد من اصحابه الا قال ليك و كان يركب الحمار و يردف
خلفه (جمع ج ۲ ص ۱۶۰) (نبى كريم ﷺ نے کبھی (بلا عذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال
مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور
غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت
انسؓ کو کسی کام کرنے پر اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی
کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائید خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوع
انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت و قدرت نہیں ہو سکتی اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا
گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں
میں سے نرم مزاج والے۔ تبسم اور ہنسنے والے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے
صحابہؓ کے درمیان پاؤں پھیلانے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت
ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہؓ (ساتھیوں) میں سے کسی
نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں)
اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے
بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۳۶۶/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ
قَالُوا أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ
عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَطْرُقُونِي كَمَا
أَطْرَبَ النَّصْرِيُّ عَيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللَّهِ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع، سعید بن عبد الرحمن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویان حدیث (۵۹۷) سعید بن عبد الرحمن المخزومی اور (۵۹۸) عبید اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدح رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے :

لا تطرونی اطراء کا معنی کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا ہو مجاوزة الحد فی المدح۔ (اتحافات ص ۳۵۶) وهو المبالغة فی المدح والغلو (مناوی ج ۲ ص ۱۶۱) (علامہ مناویؒ اطراء کا معنی یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو، جو خلاف واقع ہو، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے ، فالمعنی لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغير الواقع۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۶۱)

کما اطرت النصارى عيسى بن مريم جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں مبالغہ کیا۔ حد سے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا و کما حرفوا قوله تعالى فی الانجیل عيسى نبي وانا ولدته (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ”عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے“ میں تحریف (رد و بدل) کی ہے)

یہ کفر یہ عقائد مدح میں غلو حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ علی قصد التعظیم و ارادة التکریم (بارادہ تعظیم و تکریم) کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت و رسالت :

انما انا عبد الله فقولوا عبد الله ورسوله : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول میں مقامِ عبدیت میں ہوں، پھر کلمہ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ و اشہد ان محمدا عبده ورسوله (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۃ کہف میں ارشاد ہے، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ عَبْدِهِ الْكِتَابَ (کہف: ۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا، سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا..... (بنی اسرائیل: ۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت و رسالت انتہائی صفتِ کمال ہے۔ وهذا غاية الكمال في مرتبة المخلوق فلا تقولوا في حقى شيئا ينافي هاتين الصفتين ولا تعتدوا في شأنى وصفاً غيرهما (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت و رسالت انتہائی صفتِ کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

والى هذه الزبدة اشار صاحب البردة بقوله.....

دع ما دعتہ النصرى فى نبهم

واحکم بما شئت مدحافيه واحتکم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا، اور ہر طرح کی صفت کر، جس طرح جی چاہے، مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی صفت کی تھی۔
آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفاتِ کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض.....

وان بالغ المشى عليه واکثرا

عليه فما مقدار ما يمدح الورى

ارى كل مدح فى النبى مقصرا

اذا الله اتنى بالذى هو اهله

و لقد احسن من قال من ارباب الحال

ما ان مدحت محمدا بمدیحتی بل قد مدحت مدیحتی بمحمد

(جمع ج ۲ ص ۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارض کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگرچہ ثناء و مدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثناء و مدح ایسی ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا ارباب حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف و مدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کر دی)

(۳۱۷/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ اجْلِسِي فِي أَيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ شِئْتَ اجْلِسِي إِلَيْكَ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبدالعزیز نے حمید کے واسطے سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستے میں بیٹھ جا میں وہیں آ کر سُن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبدالعزیز کے حالات ”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت برآری :

ان امرأة جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم یہ خاتون کون تھیں، اور نام کیا تھا، لم يقف الشراح على اسم المرأة (اتحافات ۳۵۷) (شارحین حضرات) اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و فی بعض حواشی الشفا اسمها ام زفر (مواہب ص ۲۳۸) (کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتور عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو وقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمال تواضع کی انتہا :

ارشاد فرمایا، اجلسی فی اتی طریق المدینة شئت یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہوتا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ”حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سر راہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے۔“

ملا علی قاری فرماتے ہیں ”هذا (الحدیث) دلیل علی مزید تواضعه و براءتہ من جمیع انواع الکبر“ (جمع ج ۲ ص ۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر و بڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سنا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آگئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز و اکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضاعی ماں ہے۔

اخذ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا، یہ بھی تو واضح ہے اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوة بالاجنبیة نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا

فیہ تنبیہ علی ان الخلوة مع المرأة فی زقاق لیس من باب الخلوة فی بیت معھا (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

(اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا یہ اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ کمرے میں ہو)

(۳۱۸/۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمِ الْأَعْمُورِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلِ مِّنْ لِّيفٍ عَلَيْهِ إِكَاثٌ مِّنْ لِّيفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعمر کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت

خصائل نبوی ﷺ کا دل آویز منظر -----
 فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرمالتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پٹھوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔
 راوی حدیث (۶۰۰) مسلم الاعمور کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

يعود المريض ، یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاری نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جا رہی ہے۔
 حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، جوان ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، مسلمان ہو یا کافر، بیمار پرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ وکان يقول للمريض كيف تجدك او كيف اصبحت او كيف امسيت ، اولابأس عليك ، طهور ان شاء الله او كفارة و طهور (اتحافات ۳۵۸) (اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے) (یعنی آپ کی طبیعت کیسے ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) انشاء اللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ”بیمار کی درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے بسم اللہ ارقیک من کل داء یوذیک اللہ یشفیک (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابر فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا، تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہو گیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ابوداؤد میں ہے کہ فنفع فی وجہی فاقت میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہو گیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا: یا جابر لا اراک میتا من وجعک هذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔

یجب للمسلم علی المسلم ست یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے اذهب الباس رب الناس، واشف انت الشافی، لا شفاء الا شفاک شفاء لا یغادر سقما (اتحافات ص ۳۵۸) (اے لوگوں کے رب! اس (مریض) کے خوف و تکلیف کو دور فرما دے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تو واضح بھی ہے۔ اس لئے کہ لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاہہ و تنزله عن مرتبة امثاله (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ و مرتبہ کے مقتضی سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزیلی اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نقل فرماتے ہیں :

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے

شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے اس کو عذابِ جہنم سے بچا دیا۔ یہی نہیں بلکہ رَأْسِ الْمُنَافِقِينَ عبد اللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده "اسأل الله العظیم" رب العرش العظیم ان یشفیک (سبعاً) فان الله تعالیٰ یشفیہ۔ (اتحافات ص ۳۸۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرشِ عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں :

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسبِ فرصت و ضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمایا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ولم یکن من ہدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادۃ المریض ولا وقتا من الاوقات بل شرع لامتہ عیادۃ المریض لیلاً و نهاراً و فی سائر الاوقات و فی المسند عنہ و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفۃ الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غلوة صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یمسی و ان کان مساء صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یصبح۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۷۰) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسبِ فرصت بلا تکلف عیادتِ مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوعہ میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیماری پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جا رہا ہے تا آنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے

پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

و يشهد الجنازة یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔ اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای بحضرها لتشييعها والصلوة عليها سواء كانت لشريف أو وضع فيأكد لأمته فعل ذلك اقتداء به صلى الله عليه وسلم۔ (مواہب ص ۲۳۸) (آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

و يركب الحمار اونٹ اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کر لیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھالیا کرتے تھے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں ای مع قدرته على الناقة والفرس والجمل وربما كان يردف احد معه (جمع ج ۲ ص ۱۶۲) جب حضور اقدس ﷺ مکہ المکرمہ تشریف لائے۔ بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھالیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔ وجاء في مختصر السيرة للمحب الطبري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ركب حمارا الى قباء، و كان مع ابوهريرة فقال أحملك بها فقال ماشئت يا رسول الله! فوثب ليركب، فلم يقدر! فاستمسك به صلى الله عليه وسلم فوضعا جميعاً و حاول ابوهريرة الركوب مرة أخرى فوضعا جميعاً (اتحافات ص ۳۵۹)

(محب الطبری کی "مختصر السیرۃ" میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابوہریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابوہریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔ تو ابوہریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔ نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابوہریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر گردنوں گئے)۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے نچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاری میں معمولی ٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بہ آسانی اٹھالیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت و قوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت اور عظمت و مقام کے جو دونوں جہاں کے سرداری سے حاصل تھا، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا۔ و تأسی بہ اکابر السلف فی ذلک فقد کان لسالم بن عبد اللہ بن عمر حمار ہرم فنہاہ بنوہ عن رکوبہ فأبی فجدعوا أذنه فرکبه فجدعوا الاخری فرکبه فقطعوا ذنبه فصار یرکبه مجنوع الأذنین مقطوع الذنب (مواہب ص ۲۳۸) (اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر و اسلاف امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؓ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؓ کے بیٹوں نے گدھے کی دم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؓ کان اور دم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

يجيب دعوة العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے۔ چاہے

جس ضرورت و حاجت کے لئے آپ کو بلا تے۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے ہوتے۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ المملوک کی تصریح بھی آئی ہے۔ ای الی ای حاجة دعاه (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) ممکن ہے کہ یہاں ”العبد“ سے مراد ”عبد ماذون“ ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے۔ یا عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہو۔ و سمي عبدا باعتبار ما كان فالمراد به المعتوق (جمع ج ۲ ص ۱۶۴)

(اور اس کو غلام باعتبار گذشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبد معتوق، آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرما لیتے اور استنکاف نہ فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔ یہ صورت تیب بنتی ہے جب عبد سے مراد ”عبد رقیق“ ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں، اسی بات کا تذکرہ ملا علی قاری فرما رہے ہیں او كان يجيب دعوة العبد من عند سيده و لم يمتنع عن اجابته لعلم ما أتى سيده بنفسه كما هو شأن الأکابر الزمان۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴)

الغرض آپ عام لوگوں، فقراء، غرباء، مساکین، غلاموں اور محبین کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے ان کی عزت افزائی ہوتی تھی۔ عن انس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقعد على الارض و ياكل على الارض و يجيب دعوة المملوك ای علی خبز الشعير و يقول لودعيت الی فراع لاجبت ولو اهدى الی كراع لقبلت و كان يعقل شاته۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھے بھی تھے اور اس پر کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
 جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے
 بنو قریظہ !

و کان یوم بنی قریظہ جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضور اقدس
 ﷺ نے ہتھیار اتار دینا چاہے، مگر حضرت جبریل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار
 اتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کر لیں۔
 چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنو قریظہ کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ
 تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل
 ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے
 فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان و شوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان و شوکت اور بنی
 ٹھنی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان، کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان ”من لیف“ یعنی کھجور کے
 پتوں سے بنا ہوا تھا۔

وعلیہ اکاف، اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس
 طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ ہو کالسرج للفرس ”من لیف“ من بیانیة و
 رکوب الحمار مع هذا الانتصار، خلق لا یقدر علیہ الا السید المختار (اتحافات ص
 ۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق و خصلت
 ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند و اختیار کرے)
 وقد نظم الحافظ العراقی معنی هذا الخبر فاجاد حیث قال ے

یمشی مع المسکین والارملة	فی حاجة من غیر ما انفة
یردف خلفه علی الحمار	علی اکاف غیر ذی استکبار
یمشی بلانعل و لاخف الی	عیادة المریض حوله الملا

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۵)

(اور اسی کو بہتر انداز میں حافظ العراقی نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں
 اور بے واؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر

اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳۱۹/۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضِيلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ وَالْإِهَالَةِ السَّنْحَةِ فَيَجِيبُ وَ لَقَدْ كَانَتْ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتَّى مَاتَ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبد الاعلیٰ کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالک سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اُس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ..... شعير جو کہتے ہیں۔ الاہالہ ہر وہ روغن جو بطور سالن کے استعمال ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد سومتہ کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وهو كل شيء من الادهان مما يؤتدم و قيل ما اذيب من الالية و الشحم و قيل اللسم الجامد (جمع ج ۲ ص ۱۶۵)

السَّنْحَةُ قَالَ الزَّمَحْشَرِيُّ سَنَخٌ إِذَا تَغَيَّرَ وَ فَسَدَ وَ أَصْلُهُ فِي الْأَسْنَانِ يُقَالُ سَنَخْتُ الْأَسْنَانَ إِذَا فَسَدَتْ أَسْنَانُهَا (علامہ زحشریؒ سنخ کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز

اور کھانے میں تغیر تبدیل اور فساد آجائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ ای الشئی او الطعام۔ اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔

عرب محاورہ میں کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آجائے (شیخ البجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ ویؤخذ من ذلک جواز اکل المتن من لحم وغیرہ حیث لا ضرر (مواہب ص ۲۳۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بد بودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنی میں بد بودار کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ پرانا ہونا، منجمد ہونا اور بات ہے اور بد بودار ہونا اور بات آپ ﷺ نظیف تھے اور بد بودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء :

ولقد كانت له درع ' آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابو شحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی بعد میں اسے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدھا یعنی وصال تک رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، لانہ صلی اللہ علیہ و سلم مات فقیرا وقد فکھا من بعدہ ابو بکر، و قبل الامام علی، و هذه الحال مع ما كان عليه النبي صلی اللہ علیہ و سلم من مال خیر و ارض فدک و غنائم الجهاد۔ (اتحافات ص ۳۶۰) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابو بکرؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھڑا لیا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجودیکہ مال خیر فدک والی زمین اور جہاد میں مال غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔ وکان الرهن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الیہودی لیبان جواز ذلک۔ (احکامات ص ۳۶۰)

بحالتِ قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو اپنے اوپر دین چھوڑ جاتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دین کی ادائیگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاء دین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرام جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ و عدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تاکہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کر کے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگرچہ صحابہ کرام پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر و فاقہ کا دور گزرا ہے، مگر آخر عمر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرام کی تھی۔ قریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرام متمول تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اولاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۳۲۰/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ صَيْحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَحْلِ رِثٍ وَعَلَيْهِ قَطِيفَةٌ لَا تُسَاوِي أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيهِ وَلَا سُمْعَةً۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو داؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرما، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویان حدیث (۶۰۱) ابو داؤد الحفری اور (۶۰۲) الربیع بن صبیح کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان رِثٍ بوسیدہ پھٹے پرانے اور ”قطیفہ“ پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع و عبدیت کا اظہار :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمالِ تواضع، فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں، بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سواونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا و شہرت سے حفاظت کی دعا :

اللہم اجعلہ حجاً یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ و شہرت، یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی، مسکینی اور تواضع و عبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے۔ بہر حال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع و عبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے، کیونکہ اس سے نہ تو ریا کاری پیدا ہوتی ہے، اور نہ سمعہ و شہرت کا شائبہ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نبی معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم امت کی غرض سے تھی۔

ہاں! ریا کاری اور شہرت و سمعہ تو ان لوگوں میں آسکتا ہے، جو کہ نفیس سواریوں پر بیٹھیں اور اعلیٰ و عمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں۔ عیش و عشرت کے سامان و اسباب کا اس کے پاس و فور ہو ان کے پاس گروہ درگروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں، اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سواونٹ ذبح کیئے۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیئے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کئے۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے، و منهم عمر اهدی فیما اهدی له بعیرا اعطی فیہ ثلاثمائة دینارا فأبى قبولها۔

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۸)

(۳۳۱/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا عَفَانُ أَخْبَرَنَا حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لِذَلِكَ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن عبد الرحمن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے حمید کے واسطے سے خبر

دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ:

لم یکن شخص احب الیہم یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے، جبکہ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو دولتِ توحید سے نوازا۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرمادیں۔ جاہلی عرب کی انتہائی بد اخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارمِ اخلاق پر فائز فرمایا۔

نیز آنحضور ﷺ ذاتِ ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیلِ ایمان ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان، مسلمان ہی نہیں ہوتا۔ الا لا ایمان لمن لا محبة له آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں۔ ایک بارسیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا ”اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں، سوائے اپنی جان کے“، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں، جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں۔“

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر عرض کیا کہ ”اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں“ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”الآن تم ایمانک یا عمر اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ، بھائی، ماں اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست والست تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ و صادقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حضور اقدس اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یقوموا لما یعلمون اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہر داریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماء کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمال تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے واقعات سے قیام تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا فاذا قام قمنا قیاماً حتی نراہ قد دخل۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۰)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ ارباب فضل و کمال اور ذی وجاہت و ذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ وهذا القیام للقادم من اهل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۰)

حضور اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا، قوموا الی سیدکم (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں، قال البیهقی هذا القیام یكون علی وجه البر والاکرام کما کان قیام الانصار لسعد و قیام طلحة لکعب بن مالک (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز و اکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ وفی حدیث سعد دلالة علی ان قیام المرء بین یدی رئیس الفاضل و الوالی العادل و قیام المتعلم للمعلم مستحب غیر مکروہ (مشکوٰۃ ص ۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالت معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں۔ اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں ”ابوالولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ (۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔ (۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔ (۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔ (خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں لیس هذا من القيام المنهى عنه انما ذاك فيمن يقومون عليه وهو جالس و يمكنون قياماً طول جلوسه (جمع ج ۲ ص ۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہئے، جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیر النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے، جو اس کو ناجائز بنا دے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا، جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہو اور اس کے دین و ایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت و احترام دل میں نہ ہو یا ریا کاری ہو یہ صورتیں بہر حال ناجائز ہیں۔ انما کرهه تواضعاً و شفقة عليهم و خوفاً عليهم من الفتنة اذا فرطوا في تعظيمه (مواہب ص ۲۴۰)

(اور آپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم و شفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کر کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وُلْدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنَى أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ أَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَأَلْتُ خَالَيَ هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَافًا عَنْ حَلِيَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يُصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا
 مُفْخَمًا يَتَلَأَلُو وَجْهَهُ تَلَأَلُو الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ قَالَ الْحَسَنُ
 فَكْتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ
 وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْهَعِهِ وَعَنْ مَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا
 قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَأَلْتُ أَبِي عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
 كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى مَنْزِلِهِ جَزَاءُ دُخُولِهِ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ جُزْءٌ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَجُزْءٌ لِأَهْلِهِ
 وَجُزْءٌ لِنَفْسِهِ ثُمَّ جُزْءٌ هُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيُرَدُّ ذَلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ
 وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَكَانَ مِنْ سِيرَتِهِ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ إِثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِأَذْنِهِ
 وَقَسَمَهُ عَلَى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّينِ فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَ
 مِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةُ مِنْ
 مَسْأَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِحْبَارِهِمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ وَيَقُولُ لِيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ
 الْغَائِبَ وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ
 مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللَّهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُذَكَّرُ عِنْدَهُ إِلَّا ذَلِكَ
 وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرِهِ يَدْخُلُونَ رُؤَادًا وَلَا يَفْتَرِقُونَ إِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَيَخْرُجُونَ
 أَدِلَّةً يَعْنِي عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيهِ قَالَ كَانَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزَنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ
 وَلَا يُنْفِرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُؤَلِّفُهُ عَلَيْهِمْ وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ
 مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُ بِشْرَهُ وَخُلُقَهُ وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْأَلُ النَّاسَ
 مِمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ وَيَقْبَحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّبُهُ مُعْتَدِلَ الْأَمْرِ
 غَيْرَ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمْلُوا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عِتَادٌ لَا يَقْصِرُ
 عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الدِّينَ يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعْمُهُمْ
 نَصِيحَةُ وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةٌ أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةٌ وَمُوَازَرَةٌ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ
 مَجْلِسِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَّا عَلَى

ذَكَرٍ وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهَى بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذَلِكَ يُعْطَى كُلَّ جُلَسَاءِهِ بِنَصِيْبِهِ لَا يَحْسِبُ جَلِيْسُهُ أَنْ أَحَدًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابِرَةٌ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَتَهُ لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بِسَطْوَةٍ وَخُلُقَةٍ فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَآمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيهِ الْحُرْمُ وَلَا تُنْشَى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِينَ يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوَى مُتَوَاضِعِينَ يُوقِرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ وَ يَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ وَيُؤْتِرُونَ ذَالَحَاجَةَ وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابوہالہ زوج حضرت خدیجہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ انہوں نے یہ روایت ابوہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علی سے نقل کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا، وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا، تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے، اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرام اُس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے امور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اُس وقت کو ان کے فصلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے امور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی امور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی امور کو غائبین تک بھی پہنچادیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی امور کو حضور اقدس ﷺ صحابہ سے

خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسب ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوشش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلون اور گڑ بڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں

نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر نہ جایا کریں۔ یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدرِ مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشارت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلسِ علم و حیا اور صبر و امانت تھی نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اتاری جاتی تھی۔ اس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہل حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذی نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمہ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اول کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے

اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذی نے وہی حصہ نقل کیا ہے، جو تو واضح سے متعلق ہے۔ مضمون حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیل علم میں فضل و تفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؑ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؑ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحین حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) اور یہ ایک مسلم قاعدہ ہے کہ من حفظ فهو حجة علی من لم یحفظ۔ (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہو جاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) زماناً! فیہ احتمال أن هذا لکتمان کان قصداً کما یحتمل أن یکون اتفاقاً۔ (اتحاف ص ۳۶۳) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپائے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؑ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؑ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم اللیجوریؒ فرماتے ہیں، لیخبر اجتہادہ فی تحصیل العلم بحلیۃ جدہ أو لینتظر سؤالہ عنها فإن التعلیم بعد الطلب أثبت و أرسخ فی اللہن (مواہب ص ۲۴۲) (امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل و صورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؑ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت و جلال :

فخما مفخما ای عظیماً فی نفسہ و معظماً عند الخلق أو کونہ عظیماً عند اللہ معظماً عند الناس۔ (مواہب ص ۲۴۱) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان و عظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحبِ قدر تھے، بڑے مرتبہ والے، وجاہت

امت کے لئے ایثار و وقت کی ایک نادر مثال :

و جزء لنفسه : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو، غسل، دیگر حوائج ضروریہ بشری و فطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ امت کی فلاح و اصلاح کے لئے۔ صرف موجود و حاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے۔ شیخ ابراہیم البجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزأه الذی جعله لنفسه بینہ و بین جمیع الناس سواء من کان موجوداً و من سیوجد بعلمہم الی یوم القیامۃ بواسطۃ التبلیغ عنہ (مواہب ص ۲۳۲) (پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ امت کے لئے قربانی اور ایثار و وقت کی ایک نادر مثال ہے۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کر دیا تھا :

فیرد ذالک بالخاصۃ علی العامة پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا، اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ خواص سے مراد اکابر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ ہیں۔

جیسے صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ والمراد بالخصوص الخلفاء الاربعۃ و کبار الصحابہؓ (اتحافات ص ۲۶۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقت خاص میں داخل ہوتے، پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین، علوم و معارف اور مسائل و احکام عوام تک پہنچتے۔ ای ان هؤلاء الخواص یبلغون عنہ ما یسمعون منه (اتحافات ص ۳۶۳) (کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچادیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرمادیا تھا۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقت خاص میں صحابہ کرامؓ علم و حکمت، اسرار و معارف، اصلاح احوال اور تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے، ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کر انہیں علم و حکمت سے بہرہ ور فرماتے، اسرار و معارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے، تزکیہ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الہی کا مرکز بنا دیتے۔ اصلاح احوال فرما کر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرماتے۔ امور تبلیغ سکھا کر ان کو توحید و رسالت کا داعی اور مبلغ بناتے۔

نصیحت و ہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر تقسیم علوم و معارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام و خواص سے علوم و معارف نہ چھپاتے عنہم : ای عن العامة او عن الخاصة ثم تصل الى العامة او عنہما او عن الناس ' شیئاً : ای مما يتعلق بہم و فیہ نفع لخصوصہم او عمومہم۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۳) (حدیث کے جملہ ولا یدخر عنہم میں ہم ضمیر کے مراجع کے متعلق ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف العامة ہے یا پھر صرف الخاصة یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ الناس ہے یعنی آپ ﷺ چھپائے نہ رکھتے عام لوگوں سے یا خاصہ سے پھر ان کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ اور خاصہ) نہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصیح و خیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے، ای لا ینحی عنہم شیئاً من تعلقات النصیح والہدایة (مواہب ص ۲۴۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ و مشائخ اپنے خواص، خدام اور ہمراز تلامذہ و مستفیدین سے علوم و معارف، حکم و مصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مرہبین و اساتذہ اپنے بعض متوسلین اور تلامذہ میں سے حسب لیاقت و حسب طبعی مناسبت

ان کو خصوصیت و امتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور ان کو اپنی خصوصی توجہ و عنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔ اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالِح کے پیش نظر لا محالہ ان فطری امور کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحب علم و فضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے، ایثار اہل الفضل باذنہ کی مراد بھی یہی ہے، باذنہ کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے جبکہ بعض روایات اُذُنہ (بضم الاول) آیا ہے، بمعنی سننے میں ارباب فضل و کمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرق مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ارشاد ہے، المِنی مناخ من سبق (جس نے سبقت کی یعنی پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام و خواص، حکمران و محکوم، اور آقا و غلام سب برابر ہوتے تھے۔ البتہ ان کے فضل و علم، صلاح و تقویٰ اور رتبہ و درجہ میں مساوات قرین قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گرنہ فرق مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین امور کی تعیین فرمائی تھی۔ (۱) فضل و تقدیم (۲) احتیاج و حاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا،

وقسمہ علی قدر فضلہم فی الدین : یعنی علی قدر مراتبہم فی الدین من

جهة الصلاح والتقوى لامن جهة الاحساب والانساب او المراد علی قدر حاجاتہم فی

الدین ویلائمہ قولہ فمنہم ذوالحاجة..... (مواہب ص ۲۲۳) (پھر اصحاب علم و فضل میں بھی

ان کے صرف دینی مراتب (صلاح و تقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب درجات ان کی ترجیح

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 و تقدیم فرمایا کرتے نہ کہ بلحاظ حسب و نسب کے یا پھر یہ تقسیم و ترجیح ان کی حاجات
 و ضروریات دیدیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم و مناسب ہے اس کا یہ
 قول کہ فمَنہم ذوالحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو
 حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح و تفصیل کا معاملہ حسب و نسب کی وجہ سے نہیں صلاح و تقویٰ کی بنیاد پر تھا اور
 قرآن نے بھی یہی اصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)
 (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعت صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام :

بہر حال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے
 لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت با برکت
 اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات حاصل کرتے۔ علوم و معارف سے خوب
 حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح و تقویٰ کے مقام پر فائز ہو جاتے۔ ان کی اس محنت طلب
 ذوق علم اور شوق تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار و
 رموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت
 فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے تو ان کو
 تدریس و تعلیم اور دعوت و تبلیغ پر مامور فرما دیتے تاکہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت
 میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم و معارف اور پیغام و احکام پہنچادیں اور جس احسن و مناسب
 اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ و منہج پر دوسروں کی
 اصلاح و تربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت :

فیتشاغل بہم..... کلمہ ”فا“ تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق
 میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض

اہل علم و فضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی، بعض کو دو، بعض کو زیادہ، ملا علی قاریؒ مسائل کے عموم کے قائل ہیں، فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنیویة والآخریة (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی ہو یا آخروی (

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت و ضرورت اور حسب مراتب مشغول رہتے، ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ای بذی الحاجة و من بعلمهم فیشتغل بهم و یشغلون به علی قدر حاجتهم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴)

علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب :

و یشغلهم یعنی آپ ﷺ حاضرین و مستفیدین کو بھی ایسے معاملات، علمی تحقیق، بحث و مذاکرہ میں مشغول رکھتے، جو خود ان کے لئے پوری امت کے لئے اصلاح و فلاح دینی، دنیوی، آخروی اور ترقی و کمال کا باعث ہوتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای یشغلهم بالامر الذی یصلحهم فی دینهم و دنیاہم و اخر اہم۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) والامة : یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے، سواء كانت الامة الامة الدعوة والاجابة او الاعم منہما (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) (چاہے امت اجابت ہو یا امت دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) ای یصلح الامة فلا یدعہم یشغلون بما لا یغنیہم (مواہب ص ۲۴۳) بل یشغلہم بما یصلحہم والامة (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لا یعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلتہم عنہ، یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسب حال جواب مرحمت فرماتے، یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے، جن کی ان کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال، زمان، مکان و مقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔ سائلین کے اختلاف احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی وصایا و

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 ہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، استحی من اللہ کما تستحی من رجل صالح من قومک، جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی اسی طرح حیا کرو۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”لا تغضب“ یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔

(ملخصاً از مواہب ص ۲۴۳)

غائبین کی فکر :

ویقول لیلغ الشاهد ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہو سکے، حاضرین یہ علوم و معارف دوسروں تک پہنچادیں تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ فالشاهد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر أو الشاهد الصحابی و الغائب التابعی أو الشاهد العالم و الغائب الجاہل أو الشاهد الحضری و الغائب البدوی أو الشاهد السامع و الغائب من لم یسمع و هذا افید و انفع ثم هذا بیان لجعلهم مشغولین بما یصلح الأمة فإنه لما أجابهم بما ینبغی لهم شغلهم بما یصلحهم ولما وصی بالتبلیغ شغلهم بما یصلح الامة (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ ویقول لیلغ الشاهد منکم الغائب) کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچادے) میں لفظ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔ یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔ یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔ یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا۔ اور یہ تعلیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔ پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیا جن سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کر دی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرما دیا جس سے پوری امت کی

(اصلاح ہو جائے گی)

خدمت علم و خلق کا اجر و ثواب :

۱۔ ابلغونی بوجہ بیماری یا بسبب دوسری مسافت یا کسی اور عذر یا کسی وجہ سے جو مستحقین، کمزور، غرباء، بیوائیں، ضعفاء، خواتین، یتامی اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کر سکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے۔ ثبت اللہ قلمیہ علی الصراط یوم القيامة یوم تنزل الأقدام دینیہ کانت الحاجة او دنیویہ۔ (مواہب ص ۲۴۳) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرمادیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

در بار نبوت، علم و خدمت کا مرکز :

ولایذکر عنده الا ذلک یعنی بارگاہ نبوت میں انہی اور ایسی ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم و معارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔ ولا یقبل من احد غیرہ تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس، علم و معرفت الہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبان حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے، ای ولا یقبل من احد غیر المحتاج الیہ فہو توکید للكلام الذی قبلہ۔ (مواہب ص ۲۴۳)

یدخلون رواداً : بتشديد الواو: جمع رائد، وهو في الأصل من: يتقدم القوم، والرواد هنا اكابر الصحبة " (اتحافات ص ۲۶۴) (رواد کا لفظ واو کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنی قوم کا بڑا، سردار اور قائد۔ یہاں رواد سے مراد

اکابر صحابہؓ ہیں۔ یہاں روّاد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے، 'لینظر لهم الكلاء و مساقط الغيث' (جمع ج ۲ ص ۱۷۵) (تا کہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرامؓ کے لئے مستعار لیا گیا جو جمع امت کے لئے بمنزلہ روّاد کے تھے۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولا یفترقون یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہِ علم و سخا سے جدا نہیں ہوتے تھے، جب تک تحصیل علم و حاجت کی تکمیل نہ ہو جاتی، ذواق میں چکھنا ہے، جو علمی و دینی بھی ہو سکتا ہے اور دنیوی وحسی بھی ہو سکتا ہے، یعنی افادہ علمی بھی اور دعوتِ حسی بھی جو بھی ہو اخلاقِ کریمانہ کا مظہر اتم ہے۔

ذواق : ای فعال بمعنی مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم و المعارف دائماً فهو لارواحهم بمنزلة الادم لاجسادهم فعلى الاول التکیر للتقلیل لما عرف مما كانوا علیه من قلة العیش و على الثانى للتعظیم و عن بمعنی بعد نظیرہ لترکبن طبقاً عن طبق (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنی مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا غالباً پھر روحانی غذا یعنی علوم و معارف دائمی کی تقسیم کرنا۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی عیش مشہور و معروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی۔ اور لفظ عن بمعنی بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) لترکبن طبقاً عن طبق میں بھی عن بمعنی بعد کے ہے)

درسگاہِ نبوی کے فضلاء :

ویخرجون من عنده أدلة : جمع دلیل ای علماء یدلون الناس علی ما

علموا من الخیر (لفظ ادلة دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) الخیر سے مراد علم، عمل ارادہ خیر اور زہد و تقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہو کر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے۔ علم و عمل سے آراستہ ہوتے۔ سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے۔ لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیہ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم و معرفت الہی حاصل کرتے۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء و تابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں اذلة نقل ہوا ہے..... والمعنی علیہ یخرجون من عنده' حال کو نہم متذللین متواضعین (مواہب ص ۲۲۲) (اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں) ان میں غرور و تکبر بالکل نہیں (ہوتا)

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسألتہ عن مخرجه..... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرون گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیہ، یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرز زندگی اور اعمال رویہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانہ الا فیما ینیہ : یخزن، نصر کے باب سے ہے، بمعنی جمع کرنے کے، محفوظ کرنے کے ای یحبسہ و یضبطہ (مواہب ص ۲۲۲) فیما ینیہ یعنی اہم مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔ خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللہ والیوم

خصائل نبوی ﷺ کا دلاویز منظر
 الآخر فليقل خيراً أو ليصمت (مواہب ص ۲۲) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا
 ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت و تالیفِ قلوب :

ويؤلفهم ولا يفرهم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیفِ قلوب فرماتے اور
 انہیں اپنے سے مانوس فرماتے۔ ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال
 محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور
 ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔
 یہ آپ ﷺ کا کمالِ علم اور کمالِ تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداقِ اتم
 تھے وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران: ۱۵۹) (اور اگر آپ
 بد زبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا
 ہے 'بشروا ولا تنفروا يسروا ولا تعسروا' (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) ((امراء کو حکم ہے) کہ
 لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور ان کو نفرت نہ دلاؤ ان پر آسانی اور نرمی کیا کرو اور ان کے لئے امور
 واحکام کو مشکل نہ بناؤ)

شرفاءِ قوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم یولیہ علیہم ہر قوم کے شرفاء اور رؤساء کی تکریم و
 تعظیم فرماتے جو اس کے شایانِ شان جو اکرام مناسب ہوتا کر گذرتے، پھر امت کو بھی یہی
 تعلیم اور یہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ و هو افضلہم دینا و
 نسباً و حسباً (لہ طرق کثیرہ کا دان یکون متواتراً) (جمع ج ۲ ص ۱۷۶) (جب
 تمہارے پاس کسی قوم کا معزز اور شریف شخص تشریف لائے تو تم ان کی عزت و تکریم کیا کرو
 ۔ کیونکہ وہ ان میں سے دین اور حسب و نسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے) (اس حدیث کے
 مختلف اسناد ہے جو تواتر کے قریب ہے)

و یولیہ علیہم ای یجعلہ والیاً ای حاکماً علیہم و هذا من تمام حسن نظره

و عظیم تدبیرہ اذا لقوم اطوع لكبيرهم واخوف منه مع ما فيه من الكرم الموجب للرفق بهم ولاعتدال امره معهم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷) (اور آپ ﷺ اس معزز شخص کو اپنی طرف سے ان پر حاکم اور متولی بنا دیتے تھے۔ اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیر اور گہری نظر اور سوچ کا نتیجہ ہی ہوتا تھا اس لئے کہ قوم اپنے بڑے اور سردار کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجودیکہ اس میں بخشش و فیاضی کی صفت بھی ہے جو کہ نرم دلی اور اعتدال فی الامور کا سبب ہوگا)

يحذر الناس کا معنی :

و يحذر الناس علامہ مناوی نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں، (۱) لوگوں کو عذاب الہی سے ڈراتے اور اس کی اطاعت پر ابھارتے ای یخوفهم من عذاب اللہ و الیم عقابہ و یحثم علی طاعته (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷) (۲) و يحذر الناس الفتن (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) لوگوں کو فتنہ فساد افتراق و انتشار سے بچنے کی تاکید فرماتے (۳) یا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچنے اور کام و کاروبار میں لوگوں سے حزم و احتیاط کی تاکید فرماتے تھے، ای یحذر بعض الناس من بعض یا مرهم بالحزم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی توجیہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے، لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے۔ ابو داؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن الفجواء کو مال لے جانے کے لئے تجویز

فرما کر کہدیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کر لیں، وہ تلاش میں تھے کہ عمر و نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کر رہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

ابن الفغواء حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے، انہوں نے پتہ بتا دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا، اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن الفغواء کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں، تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں، تم میرا انتظار کرنا، میں نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا، میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کر کے چل دیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے، مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اسی لئے یہی معنی بہتر ہیں۔ (خصائل: ۲۹۲)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا :

و یحترس منهم یعنی آپ ﷺ خود کو لوگوں سے یکسو رکھتے تھے، مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم و احتیاط :

ای یحفظ نفسه من اذاهم او من نفورهم (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) (یعنی اپنے نفس کو ان کی تکالیف اور نفرتوں سے محفوظ رکھا کرتے)۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرتِ مخالطت و مخاطبت، تعلیم و تربیت اور توجہ و عنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہو پاتے تھے۔ بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار

رکھتے ہوئے محتاط رہا کرتے ای يتحفظ من كثرة مخاطبهم المودية الى سقوط هيئته و جلالته من قلوبهم لكن لا يفرط في ذلك بل يتحرس - (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)
 بارگاہِ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی، مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت و تمکین سے پیش آتے۔ اُن کی شرارتوں، اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاقی کا اظہار فرماتے، کبھی بھی بد خوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے۔
 یطوی بمعنى يمنع ہے، شدت سے مراد چہرے کی طلاق و بتاشت مراد ہے۔

یحترس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید اخلاقی لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو، ولذا اکده بقوله ولا خلقه (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) اس لئے اس کی تاکید و لا خلقه سے کر دی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود محتاط رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)
 احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ويتفقدا صحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے، ہمیشہ تحصیل علم، و طلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب و اہل محلہ ہوتے، تو ان کی غیبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے، پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے، مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے،

علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں فان كان احد منهم مريضاً عادہ او مسافراً دعاه او ميتاً استغفر له۔
 (مواہب ص ۲۴۴)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ويسأل الناس یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات، ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے، اگر رنجشیں ہوتیں، مشکلات و حاجات ہوتے، تو ان کی اصلاح فرماتے، اچھی باتوں، عمدہ حالات اور اخلاقِ حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ، معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ

فرما کر اسے زائل کر دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب و ذنوب کی تفتیش و تجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا) شیخ ابراہیم البیہمیؒ فرماتے ہیں، 'ای یسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیذفع ظلم الظالم و ینتصر للمظلوم و یقوی جانب الضعیف و لیس المراد أنه یتجسس عن عیوبہم و ینفحص عن ذنوبہم۔ (مواہب ص ۲۳۳)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرینِ اُمت، حکمران، علماء، صلحاء اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں۔ ان کے حالات و اخبار معلوم کریں، نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بروقت زائل کریں۔ علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحکام الی ان یکشفوا و یتفحصوا بل و لغيرہم ممن کثر اتباعہ کالفقہاء و الصلحاء و الاکابر فلا یغفلون عن ذلک لئلا یترب علیہ ماہو معروف من الضرر الذی قد لا یمکن تدارک رفعہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

اعتدال و میانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا، تلون مزاجی سے نفرت تھی، صلح کی بات ہو یا جنگ کی، معاملات ہوں یا عبادات، ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق، میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا۔

غیر مختلف معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے، بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے۔

و حاصل المعنی ان سائر افعاله و اقوالہ علی سمت الاستواء و الاعتدال (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال و افعال ٹھیک اور معتدل طریقہ

پر ہوا کرتے تھے)

ولا یغفل حضور اقدس ﷺ تبلیغ و ارشاد، تعلیم و تربیت، تنظیم و جماعت اور

اُمورِ دعوت میں مصروف رہتے، تاکہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادت الہی

اور اصلاح احوال سے سستی اور کاہلی برتنا نہ شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے۔ والمعنی لا یغفل عن مصالحہم من تذکیرہم و ارشادہم و نصیحتہم و تعلیمہم و امدادہم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) مخافة ان یغفلوا ای عنہا بناء علی مراعاة المتابعة۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت و تابعداری میں غافل نہ ہو جائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں، الناس علی دین ملوکہم۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح امت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) او خشية ان یغفلوا عن الاستفادہ فیقعدوا فی عدم الاستقامة، یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی..... او یمیلوا الی الدعة والرفاہیة او یمیلوا الی الملل او یمیلوا عنہ و ینفروا، مخافة! مفعول من اجلہ ای من اجل خوف غفلتہم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہو جائے گا اور یا ان کا میلان و رجحان مختلف ادیان و مذاہب کی طرف ہو جائے گا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے روگردانی اور نفرت کر لیں گے۔ لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تاکہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہو جائیں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے :

لکل حال عندہ عتاد، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج، صلح، جنگ، عسرت، یسرت، خوف و امن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا عتاد کا معنی سامان، اسباب، انتظام اور تیار رہنا ہے، ای کان یعد لکل امر ما یناسبہ۔ (اتحافات ص ۳۶۴)

ملا علی قاری فرماتے ہیں، بفتح اولہ و هو العدة والتأهب مما یصلح لکل ما یقع و الاظہر انہ علیہ السلام اعد لکل امر من الامور حکما من الاحکام و دلیلاً من

ادلة الاسلام او المعنى انه عليه الصلوة والسلام كان مستعدا لجميع العبادات من الجهاد وغيره (جمع ج ۲ ص ۱۷۸) اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ..... ما اعدہ الرجل من السلاح والذباب و آلة الحرب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر امور دینی ہر وقت او رہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔ اسلحہ، جانور اور دیگر ضروریات جنگ تیار رکھتے، صاحب لغات الحدیث (ج ۲ ص ۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام دہی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول :

كان لا يقصر عن الحق، یعنی حق کے بیان، ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای بیسانہ و استيفائه۔ (اتحاف ص ۳۶۴) ولا يجاوزہ یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا يتجاوزہ فلا يأخذ أكثر منه (مواہب ص ۲۴۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔ فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص، بہترین جماعت تھے :

الذين يلونه من الناس خيارهم، جو لوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں بہترین تھے۔ اقوال، افعال، تقویٰ، دیانت اور معاملات کی صفائی، عزت و جاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اہمات المؤمنین، بنات مطہرات، اہل بیت، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ اُس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم، تحصیل فوائد میں بھی طلب صادق اور پھر افادہ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”لیلینی منکم اولو الأحلام والنہی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم“ (مواہب ص ۲۴۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری، افضلیت اور مقام و رتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت بابرکت کا ثمرہ تھا۔ آپ

ﷺ کی توجہات، عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے، جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، انسانیتِ کامل کی معراج کو پالیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البجوری فرماتے ہیں، فینبغی للعالم فی درسه ان يجعل الذین یقربون منه خیار طلبته لانهم هم الذین یوثق بهم علماء و فہما (مواہب ص ۲۳۵) (تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم و اکتساب و ذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم و فہم پر اعتماد کیا جاسکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلہم عنده یعنی بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم اور زیادہ قبولیت و افضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین و دنیا کی خیر خواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”الذین النصیحة“ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۳، مواہب ص ۲۳۵) یعنی دین تو خیر خواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمہم عنده مواساة و سی یسی و سیا سے ہے بمعنی مدد کرنا، تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہتی میں ہے، المواساة یعنی کسے رادر چیز ہم چو خویش دانستن، (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرة: وزر یوز و ذراً سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا، تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہتی میں ہے، موازرة بمعنی مددگاری کردن۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر و احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر و احتیاج کے باوصف دیگر محتاجین و مستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة (الحشر: ۹) (اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت

حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہماتِ امور میں، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوَى (المائدہ: ۲) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فَاللَّهِ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ (مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كَرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كَرْبَةً مِنْ كَرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرمادے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریِ خلق میں حصہ لیتے تھے تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم، محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو غمگین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو، صاحبانِ حوائج کی حاجت براری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک انسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسه حسین بن علیؑ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، فقال اٹھتے بیٹھتے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الہی ہوتا، جو کتنا یہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے، جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت و افسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِ إِلَّا قَامُوا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ (رواہ احمد و ابوداؤد) نہیں اٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر

حسرت و افسوس ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: ”ما عمل العبد عمله انجی له من عذاب الله من ذکر الله“ (رواہ مالک و الترمذی و ابن ماجہ) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذاب الہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، و هذه الآية اصل فی ذلك اعنی الذکر عند القعود و القيام اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں و فیہ ندب الذکر عند القعود و القيام و هو من اعظم العبادات لقوله تعالیٰ و لذكر الله اکبر الذین یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبہم (مناوی ج ۲ ص ۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبان عقل و فراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ ای ان الذکر ہو مبدأ جلوسه و منتہاه۔ (اتحافات ص ۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتہی مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کو بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یأمر بذالک اور اسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہؓ کو بھی ارشاد فرماتے، یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اور ان کو تعلیم و تربیت اور اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دینا تھا اور قولاً و عملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اٹھتے بیٹھتے دھکے نہ دیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوس بالانشینی میں ایذاءِ مسلم سے بچا جائے، شیخ پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر و نخوت کی علامت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو نا پسند ہے، و هذا خلق لا یطیقہ الا نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ ایسی بہترین

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 عادت و خصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسے بھی بجالانے کی قدرت
 و طاقت نہیں ہو سکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعنی آپ ﷺ علوم و معارف ہدایات اور کھانے
 پینے کی اشیاء تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی
 فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔ کوئی بھی حاضر مجلس آپ
 ﷺ کی توجہ و عنایات سے ناامداد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہو کر با مراد اٹھتا۔

حاضرین مجلس کا تاثر :

لایحسب جلسہ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہی
 سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب و عزیز ہے۔ آپ ﷺ امت پر
 شفیق اور مومنوں پر رؤف و رحیم تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہر ایک کو یہ یقین
 ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔ سب خدام اور
 رفقاء کا اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز و مقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ دفعاً للتحاسد
 و رفعاً للتباغض و التقاطع المنہی عنہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۰) ((حضور ﷺ کا یہ حسین
 برتاؤ) ان کے آپس میں بغض و حسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طول نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسہ یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرین مجلس ملاقاتیوں اور
 زائرین و حاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابرہ ای غالبہ فی
 الصبر علی المجالس و المکالمہ و لا یادر بالقیام عنہ و لا یقطع کلامہ و لا یظہر الملل
 و السآمة بل یستمر معہ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب
 تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے
 برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر

ہوتے، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق، کمال تواضع اور عبدیت و انکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے :

ومن سألہ حاجة سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی، محبت، شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے۔ وھذہ من کمال سخائہ و مروتہ و حیائہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعت اخلاق و سخاوت :

قد وسع الناس یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی، سخاوت اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ آپ ﷺ کشادہ رو، خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ قد وسع الناس ای اجمعین حتی المنافقین لکونہ رحمة للعالمین“ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعت اخلاق و سخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمة للعالمین ہی ہے) بسطہ ای جودہ و کرمہ و انبساطہ و خلقہ ای و حسن خلقہ فالمراد امداداتہ الظاہرۃ و الباطنۃ (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (یعنی بسطہ سے مراد آپ ﷺ کا جود و کرم اور حسن اخلاق ہیں تو گویا مراد مدد ظاہری اور باطنی ہے)

امت پر رحمت و شفقت کی انتہاء :

فصار لہم ابا آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت، محبت، ہمدردی، غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے، جس طرح والد شفقت، محبت، مودت، اصلاح، خبر گیری، حاجت برآری، حل مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ بھی مخلوق خدا کا

گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واعظم من اب اذ غایۃ الاب ان یسعی فی صلاح الظاہر وهو یسعی فی صلاح الظاہر والباطن۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے۔ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ۔ (احزاب: ۶)

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رافت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنی امت پر شفقت و رافت کا کیا عالم تھا۔ شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ومن ثم اشفق علی ذوی الکبائر من امتہ و امرہم بالستر و اتی برجل بعد تحریم الخمر و هو سکران و تکرر ذلک فلعنوه فقال لاتلعنوه فانہ یحب اللہ و رسولہ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا۔ اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا۔ تو صحابی نے اس پر جب لعن و تشنیع کرنا شروع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر :

و مجلسہ یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم و معارف کا افادہ و استفادہ ہوتا تھا۔ حیا و شرم کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجہ صبر تھا۔ مجالس امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام و ہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں، انہیں محفوظ کر کے بے کم و کاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا، جو اسرار ہوتے، وہ سینوں کے دینے بن جاتے۔ یہ چاروں باتیں یعنی علم، حیا، صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مجالس میں ادب و احترام، انکسار و تواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شور و شغب کو راہ ملتی،

بلکہ حکم خداوندی ”لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی“ (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہتے۔ صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسوں کا کلاہ صلحاء و علماء و صبراً و أدباً و أمانةً و عدم رفع للاصوات و صفاء و سرور“ (اتحافات ص ۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس و محفل سب اصلاحی، علمی، صبر، ادب و امانت پر مشتمل اور اخلاص و خوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شور و شغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولاتؤبن مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت و ناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ من الابن وھی العقد فی القصات (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (ابن کا معنی بانسوں میں گرہیں ہونا) وھو العیب او التھمة ای لاتقذف و لاتعاب کذا فی الفائق ای لاتعرف و لاتذکر بقیح (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (ملا علی قاری الا بن کا معنی عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لاتؤبن کا معنی تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا) و لاتثنی اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب و زلات کو اچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس ہفوات و لغویات سے پاک ہوتی تھیں۔ علامہ مناوی لکھتے ہیں ای لا تشاع و لاتذاع فلتانہ ای زلاتہ و ہفواتہ و احدہ فلتة و هو الہفوة۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)

صفات صحابہ کرام :

متعادلین یعنی سب صحابہ کرام اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے۔ کبر و غرور سے نفرت تھی۔ ای متساوین لایتکبر بعضهم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یفاضلون بالتقوی (جمع ج ۲ ص ۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت و صحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرام بڑوں کی عزت کرتے چھوٹوں پر رحم کھاتے، حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا احترام اور ان کی حفاظت فرماتے

و هذا الحديث من الجوامع الدالة على كمال أوصافه صلى الله عليه وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضور ﷺ کے اوصاف کا ملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۳۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَهْدَى إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ .

ترجمہ : امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزلیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں۔

راوی حدیث (۶۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزلیع کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الکُرَاعُ كَالغُوىِ معنًى :

الکُرَاعُ بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے۔ ملا علی قاری نے بھی کراع کے یہی معنی نقل کیے ہیں وهو مادون الركبة من الساق و مادون الكعب من الدواب۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۳)

تحفہ و دعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے۔

یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کر لوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح دعوت پر بلاوے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکین خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور کمال تواضع کی روشن دلیل ہے۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، وفيه ندى قبول الهدية و اجابة الدعوة و لولشنى قليل و كمال تواضعه و حسن خلقه و جلبة للقلوب۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۳) یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو، اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمال تواضع حسن اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۳/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ نَبِيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبٍ بَعْلٍ وَلَا بَرْدُونَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمن نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے :

قال جاءني حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے لئے) تشریف لاتے تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون 'الفرس العجمی'۔ (اتحافات ص ۳۶۶) وفي المغرب هو التركي من الخيل و لعله اراد مايتناول البرذونة تغليبا۔ (مواہب ص ۲۳۸) (برذون کا معنی کسی نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنی ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگرچہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن

تغلیباً برذونہ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا، بلکہ پاپیادہ تھی۔ علامہ لیجوری فرماتے ہیں 'فکان صلی اللہ علیہ وسلم لتواضعہ ینور علی اصحابہ ماشیا۔ (مواہب ص ۲۳۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضور اقدس ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ دونوں پیادہ پامیری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابر سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت 'فروتی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھالیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھالیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھالیا اور ایک کو پیچھے بٹھالیا۔

حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبد الجواد الدومی فرماتے ہیں و هذا الحدیث یفید أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یزور أصحابہ و یعودہم ماشیا 'لما فی ذلک من کثرة الثواب و عظیم التواضع (اتحافات ص ۳۶۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی زیارت و ملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۳۲۵/۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوسُفَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِي رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوسُفَ وَأَقْعَدَنِي فِي حَجْرِهِ وَمَسَحَ عَلَيَّ رَأْسِي .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو نعیم نے خبر دی۔ انہیں یہ روایت یحییٰ بن ابی یثیم عطار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام ”یوسف“ تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۶۰۳) یحییٰ بن ابی ایشیم اور (۶۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلام کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوسف واقعدنی فی حجرہ..... الخ
الحجر ! الثوب و هو طرفه المقدم منه لان الصغير يوضع فيه عادة و يطلق على المنع من التصرف و على الانثى من الخيل و حجر ثمود و حجر اسماعيل و غير ذلك مما في قول بعضهم

رکت حجرا و طفت البيت خلف الحجر
و حزت حجرا عظيما ما دخلت الحجر
لله حجر منعى من دخول الحجر
ما قلت حجرا و لو أعطيت مل الحجر

(مواہب ص ۲۳۸)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔ لفظ حجر (حاء پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ) کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس

قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا متبرک عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر شمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگرچہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

هو بالكسر ما بين يديك من بلدك و بالفتح فرج الرجل والمرأة (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) جس طرح یوسف بن عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت، محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرام کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھائی فرماتے ہیں ”جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے، خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض و استزکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا ان سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) وفيه انه يسن لمن يقتل به ويتبرك به تسمية اولاد اصحابه وتحسين اسماءهم وان اسماء الانبياء من اسماءهم الحسنة و وضعه في الحجر (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) (علامہ مناوی) لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام

خصائل نبوی ﷺ کا دلاویز منظر
 علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے
 کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہو رہی ہے)

مسح علی رأسی ! زاد الطبرانی و دعا لی بالبرکة و فی فعلہ لہنین من
 کمال رحمته و محاسن اخلاقہ و تواضعہ مالا ینحی۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)
 (اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانی نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ
 میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ
 ﷺ کی تواضع، حسن خلق اور کمال شفقت پوری طرح واضح ہو رہی ہے)

(۳۲۶/۱۱) حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنبَانَا الرَّبِيعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيحٍ حَدَّثَنَا
 يَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلَى رَحْلِ
 رَبِّهِ وَقَطِيفَةَ كُنَّا نَرِي ثَمَنَهَا أَرْبَعَةَ فَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَالَ لَبَّيْكَ
 بِحُجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيهَا وَلَا رِيَاءَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ
 ہم کو اسے ابو داؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ
 ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی۔
 حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس
 پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے
 کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائے۔

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے، تشریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گزر چکی

(۳۲۷/۱۲) حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتِ
 الْبَنَانِيِّ وَعَاصِمِ الْأَخْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا خِيَّطًا دَعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرَبَّأَ لَهُ فَرَيْنًا عَلَيْهِ ذُبَابٌ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَأْخُذُ اللَّبَاءَ وَكَانَ يُحِبُّ اللَّبَاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ فَمَا صُنِعَ لِي طَعَامٌ أَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُصْنَعَ فِيهِ ذُبَابٌ إِلَّا صُنِعَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احوال کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ٹرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل باب ماجاء فی اِدام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ لیبجوریؒ کہ ”لدلایہ علی تواضعہ“ (مواہب ص ۲۴۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دل ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ٹرید کے شور بے روئی کا ذکر تھا۔ یہاں ٹرید کی تصریح ہے۔ ٹرید شور بے میں بھیگی ہوئی روئی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شور باروئی بھی ہو اور ٹرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ٹرید اس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا اس حدیث میں شور باروئی اجزاء کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ٹرید بھی شور باروئی ہی ہوتی ہے۔

(۳۲۸/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ قِيلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ بَشْرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيُحْلِمُ نَفْسَهُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم اسے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرہؓ سے نقل کی۔ عمرہؓ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۶۰۶) عمرہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں
بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

یفلئ ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلئ آتا ہے جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب رأس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سریا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ فلی رأسہ بحثہ عن القمل کفلاہ ای یفتش (جمع ج ۲ ص ۱۸۵) یحلب ' حلب یا حلاب سے ہے بمعنی دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشر امن البشر..... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزارنا، اپنے کام خود انجام دینا، معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا، آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے للتواضع و ترک الترفع لکنہ مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالة (مناوی ج ۲ ص ۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سرانجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انا بشر مثلکم یوحی الی . الایہ میں یہی
 اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں) (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے)
 کما فی قولہ تعالیٰ انا انما بشر مثلکم یوحی الی الایۃ ۔

کمال عزت و تکریم :

یغلی ثوبہ حاشیہ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیہ ذباب قط و لم یکن القمل
 یوذیہ تعظیماً و تکریماً لجاہہ ، یعنی آنحضرت ﷺ کے وجود اطہر پر مکھی ہرگز نہیں
 بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذا پہنچانے کے لئے پیدا ہوئی۔
 یہ آپ ﷺ کی کمال عزت و تکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں
 پڑتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی
 ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ
 کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرقِ گلاب میں جوں کا کہاں
 گزر ہو سکتا ہے۔ اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی
 دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی
 دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے
 تو زیادہ اہتمام کریں گے۔ (خصائل)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات کے بیان میں

لفظِ خُلُقِ کی تشریح :

‘خُلُقٌ‘ عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخلاق ہے۔ وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کئے افعال بہ سہولت صادر ہوں۔ الخلق بضم الخاء واللام هو الطبع والسجية وهو من الأوصاف الباطنية قال الامام الغزالي ، الخلق ، هيئة للنفس تصلر عنها الافعال بسهولة فان كانت الهيئة جميلة ، سميت خلقا حسنا ، والاسميت خلقا سيئا۔ (اتحافات ص ۳۶۹) (الخلق (حاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ) اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنی طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالی فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) وعن العسقلانی حس الخلق تحصيل الفضائل وترك الرذائل (جمع ج ۲ ص ۱۸۶) (امام عسقلانی سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق) اختیار کر لینا)

حَسَنِ اخْلَاقٍ :

حضور اقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندی اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۴) (اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں ماکان احد احسن خلقا من رسول الله صلى الله عليه وسلم مادعاه احد من اصحابه و لا من اهل بيته الا قال ليكـ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۵) (نبی کریم سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے۔ علامہ البجوریؒ فرماتے ہیں: وعرفوا حسن الخلق بانه مخالطة الناس بالجميل والبشر واللطافة و تحمل الاذى و الاشفاق عليهم و الحلم والصبر و ترك الترفع والاستطالة عليهم و تجنب الغلظة والغضب و المواخذة (مواہب ص ۲۵۳) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر و آداب کے ہر کاہ خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف و مہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے، نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر و تحمل، پے در پے برتری کی نمود کا ترک، مروت و احسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلو تہی، بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاقِ حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں۔ شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔ سیرت آپ کے اخلاقِ حسنہ ہیں۔

باب ہذا میں مصنف بطور نمونہ کے پندرہ حدیثیں نقل کر کے محمدی اخلاق کی ایک جھلک دکھا رہے ہیں۔ و هذه الترجمة لبعض أخلاق النبي و بعض سجایاہ، لالجمیعہا بدلیل أن التواضع مثلاً من أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم، ومع ذلك فقد ذکر قبل (اتحافات ص ۳۶۹) (جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِي (۳۲۹/۱)

حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبُو عَثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَارِجَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوا لَهُ حَدِّثْنَا أَحَادِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا أُحَدِّثُكُمْ كُنْتُ جَارَهُ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ إِلَيَّ فَكُتِبَتْ لَهُ فَكُنَّا إِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَإِذَا ذَكَرْنَا الْآخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَإِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهُ مَعَنَا فَكُلْ هَذَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبداللہ بن یزید مقری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت لیث بن سعد نے بیان کی۔ ان کے ہاں یہ حدیث ابو عثمان ولید بن ابی ولید نے سلیمان بن خارجه کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے اسے خارجه بن زید بن ثابت انصاریؓ سے نقل کیا۔ خارجه کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے کچھ حالات سنائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے کیا حالات سناؤں (وہ احاطہ بیان سے باہر ہیں) میں حضور اکرم ﷺ کا ہمسایہ تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو کر اس کو لکھ لیتا تھا جس قسم کا تذکرہ ہم کرتے تھے حضور اکرم ﷺ بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کے تذکرے فرماتے۔ یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات اور تفصیلات حضور اکرم ﷺ بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

راویان حدیث (۶۰۷) عبداللہ بن یزید المقری (۶۰۸) لیث بن سعد (۶۰۹) اور خارجه بن زید کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بیان شمائل کے لئے صحابہ کرامؓ کا سوال :

فقال ماذا احديثكم حضور اقدس ﷺ کے تمام عادات و روایات اور

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 اخلاق و شمائل کا احاطہ ممکن نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ تو احاطہ بیان سے باہر ہیں۔
 حضرات صحابہؓ کے استفسار حدثنا سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر
 آپ ﷺ کے علوم و معارف اور اخلاق و شمائل سننے کے لئے بے تاب و منتظر رہتے ہیں۔

کاتبین وحی :

کنت جارہ ' میں تو حضور اقدس ﷺ کا پڑوسی تھا۔ بسبب قربت کے آپ
 ﷺ کے اخلاق، حالات، احوال، اعمال، ارشادات اور آپ ﷺ کے شب و روز مجھ پر
 سب سے زیادہ واضح تھے۔ یہاں تک کہ فکان اذا نزل علیہ الوحی بعث الی
 فکتبتہ لہ، یعنی جب وحی اترتی تو مجھے طلب فرماتے اور میں آپ ﷺ کے لئے لکھ لیتا
 تھا۔ حضرت زیدؓ کا وحی کی کتابت اکثر الاوقات کے اعتبار سے تھا کہ پڑوس میں قریب
 رہتے تھے۔ ورنہ ان کے علاوہ بھی کاتبین وحی کا تذکرہ سیرت کی کتب میں منقول ہے۔
 و کتاب الوحی ہم زید و عثمان و علی و ابی و معاویہ و خالد بن سعید و حنظلہ
 بن الربیع و العلاء بن الحضرمی و ابان بن سعید (اتحافات ص ۳۶۹) (اور کاتبین وحی
 حضرت زیدؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت خالد
 بن سعیدؓ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ، حضرت علاء بن الحضرمیؓ اور حضرت ابان بن سعیدؓ ہیں)
 حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر بھی کاتبین وحی میں ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ حضرت امیر معاویہؓ صرف مراسلت لکھا کرتے تھے۔ صاحب الکمال
 فی اسماء الرجال تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کاتبین وحی میں حضرت
 معاویہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہ کرمؓ کی دلداری و خاطر داری :

فکانا اذا ذکرنا الدنیا یعنی حضور اقدس ﷺ شفیق امت تھے۔ انہیں
 اپنے صحابہؓ سے غایت تعلق، محبت و دلداری اور بے تکلفی تھی۔ صرف آخرت ہی آخرت کے
 تذکرے سنا سنا کر وہ انہیں صرف راہب نہیں بنانا چاہتے تھے جو شخص بھی جس قسم کے مشورہ

کے لئے آنا چاہتے، خواہ وہ دنیوی امور کا ہوتا یا اخروی امور کا، حتیٰ کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی، اس کے لوازمات، بے ثباتی اور اسی کی تنگی و خوشحالی کا تذکرہ کرتے، تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہو کر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت، دوام حیات، وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریک گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد و نوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہو کر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل هذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے، جو لکھا گیا ہے، لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتب ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتبِ وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا، غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سماں لطیف و لذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ فکل احدثکم کے متعلق تشریحاً لکھتے ہیں۔ لتفقہوا فی الدین فترفعوا الی درجات المقربین. فاعادہ لیؤكد بہ الحدیث و یظہر اہتمامہ بہ و فیہ جواز تحدیث الکبیر مع صحبہ فی المباحات و بیان جواز امثال ذلک واجب علی المصطفیٰ فلیس ذکر الدنیا و الطعام فی ہذا المقام خالیاً عن فائدہ علمیة و ادبیة۔

(مناوی ج ۲ ص ۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الہی کے بلند مراتب و درجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس

کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور ادبی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۲/۳۳۰) حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرْظِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبَلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَى أَشْرَ الْقَوْمِ يَتَأَلَّفُهُمْ بِذَلِكَ فَكَانَ يُقْبَلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَى حَتَّى ظَنَنْتُ أَنِّي خَيْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا خَيْرٌ أَوْ أَبُو بَكْرٍ قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا خَيْرٌ أَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا خَيْرٌ أَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَّقَنِي فَلَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاص سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرم کی توجہات اور کلام کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ، پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے

حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرمادیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہئے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیاد (۶۱۱) محمد بن کعب القرظی اور (۶۱۲) عمرو بن العاص کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجہ حضور اقدس ﷺ بد اخلاق درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی حد درجہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی سے پیش آئے اور دوران گفتگو اپنا رخ ان کی طرف پھیر کر بھرپور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے، توجہ فرماتے، محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر، عنوت، استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ حلم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں، حتی ظننت انی خیر القوم ای من كثرة النفاة۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۹) یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام و مرتبہ گویا اب حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاص کے سوال کا حقیقت پر مبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں ان حضرات کی افضلیت کا بتا دیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل و عظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق کو پھر حضرت عمر کو، افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر

صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اول ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔ (خصائل)

عمر و بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصد قنی آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کا لحاظ کئے بغیر صحیح جواب مرحمت فرمایا۔ اے اجابنی بالصدق من غیر مراعاة و مداراة۔ (مواہب ص ۲۵۲) جو حقیقت تھی، وہ صحیح صحیح بیان فرمادی۔ بس پھر کیا تھا، خود حضرت عمر و بن العاصؓ نام ہوئے۔ فلودت انی لم یکن سئلته، کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ هذه الندامة من السؤال استحياء من الخطاء الفاحش یعنی اظہار ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بنا پر ہوا کہ وہ یہ سوال کر کے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیث مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

يجالس الفقير والمسکينا و یكرم الکرام اذ یأتونا

لیس مواجها بشئی یکرهه جلیسه بل بالرضاء یشافهه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (بیٹھنا اٹھنا) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ

آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت و تکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات

کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملنا جلنا ہوتا)

(۳۳۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَلَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أَيْ قَطُّ وَمَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَا صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزَا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ الْإِنِّ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَ قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالک سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کبھی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کس قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

حضرت انسؓ خدمتِ نبوی میں :

قال خلمت رسول الله صلى الله عليه حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنين کی تصریح ہے۔

بعض روایات میں تسع سنین کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آ گیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا، جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود ان کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافاة نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضر خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپؐ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ناگوار امور پر اُف تک نہ کہا :

فما قال لی اُف قط ' حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت و صحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی، کوتاہیاں تو لازماً بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ "اتباع سنت کا کامل نمونہ :

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ و مربی اپنے استاذ امیر المؤمنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ بے اختیار یاد آنے لگے۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے۔ مجھے دس سال کی خدمت و صحبت، قربت، سفر و حضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا۔ حضرت کے ساتھ علمی و دینی کام کئے۔ تدریسی

کام انتظامی امور حضرت کے شب و روز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں۔ حضرت کے حین حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ عیدین، تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و اندازِ تربیت پر اس طویل عرصہ خدمت و رفاقت میں حضرت نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ، نہ نقد و جرح، نہ اعراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

ابو نعیم کی روایت :

بہر حال یہاں تو اسی قدر نقل ہے۔ وهذا الحلیث رواہ ابو نعیم عن انس ایضاً بلفظ خلعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما سبني قط و ماضر بنی ضربة ولا انتهرنی ولا عبس فی وجهی ولا امرنی بامر فتوانیت فیہ فعاتبنی علیہ فان عاتبنی احد قال دعوه و لو قدر شئى كان۔ (مواہب ص ۲۵۲) (اور یہی حدیث ابو نعیم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی! اس کو جانے دو، کچھ نہ کہو جو مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انسؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام و محبین اور صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمالِ اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا۔ خدام کے افعال کو تائبوں اور افراط و تفریط کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے، بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے

تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے۔ فکان يشهد أن الفعل من الله ولا فعل لأنس في الحقيقة فلا فاعل الا الله و الخلق الآن و سائط فالغضب على المخلوق في شئ فعله او تركه ينافي كمال التوحيد كما هو مقرر في علمه من وحدة الافعال۔ (مواہب ص ۲۵۲) (پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ دراصل حضرت انس کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ و غضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابو نعیم کی روایت میں تصریح ہے، ولو قدر شئى كان كماله تعالى جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایت لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا بر قضا کی اصل اور سند ہے۔ رابعہ بصریہ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس جامعیت کے کمال پر تھی۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا۔ اس لئے حضرات صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اللہ جل شانہ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (خصائل ص: ۳۰۴)

و ذکر الشیخ ابراہیم البیجوری ما قال لی لشیئ صنعته لم صنعته ولا شیئ

ترک نہ کر کہ ای لشلہ و ثوقہ و یقینہ بالقضاء و القدر و للک زاد فی روایۃ و لکن یقول قدر اللہ و ماشاء فعل و لو قدر اللہ کان و لو قضی لکان۔ (مواہب ص ۲۵۲) شیخ ابراہیم البجوری نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی کوئی کام کیا ہے تو آپ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا، ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضا و قدر پر پورا یقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا و قدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہو جاتا ہے)

سیرت و سوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت و سوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔ آپ کے کریمانہ اخلاق، صبر، حسن معاشرت، حلم و علم، تحمل و بردباری، عفو، چشم پوشی و تسامح، زبان کی عفت و عصمت، خدام پر شفقت و تالیفِ قلوب اور وسعتِ رحمت و عنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔ علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

و فی ذلک بیان کمال خلقہ و صبرہ و حسن عشرتہ و عظیم حلمہ و صفحہ و ترک العقاب علی مافات و صون اللسان عن الزجر و النم للمخلوقات و تالیف خاطر الخادم بترک معاتبته علی کلا الحالات و ہذا کلہ فی الأمور المتعلقة بحظ الانسان۔ (مواہب ص ۲۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت و مقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت و عظمت، خدمت و اطاعت اور کمالِ محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلافِ شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلافِ شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے
 بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی
 بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ و غضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی
 تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فلا یتسامح فیہ لأنه اذا انتھک شی من محارم اللہ اشتد
 غضبه و هذا یقتضی ان أنسألم یتھک شیئاً من محارم اللہ و لم یرتکب ما یوجب
 المؤاخلة شرعاً فی مدة خلتمه له صلی اللہ علیہ وسلم ففی ذلک منقبة عظيمة له و
 فضيلة تامة۔ (مواہب ص ۲۵۳)

اخلاقِ حمیدہ :

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم من احسن الناس خلقاً۔ حضور اقدس
 ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن و افضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے
 ایسے اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان
 اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے جو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ هذا شأنه
 مع عموم الناس لامع خصوص أنس قال تعالیٰ و انک لعلی خلق عظیم و قال ! لو
 كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولک (مواہب ص ۲۵۳) (حضور ﷺ کے ایسے
 حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انسؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام
 لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے و انک لعلی خلق عظیم
 (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور
 فرمایا کہ ”اگر تم بد خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا یعنی حضور اقدس ﷺ بلندی اخلاق اور عظمتِ خلق

کی طرح اپنی خلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ما قبل بیان کردہ روایت انہ شن الكف (ای غلظہما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انہ كان ناعما غليظ اللحم والعظم فاجتمع له نعمة البدن و قوته (مناوی ج ۲ ص ۱۹۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل)

اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم و ملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت مجتمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضرات صحابہ کرامؓ اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایتِ فرحت و لذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔

اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ سے میرے اُستاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہؒ تک بھی اسی طرح پہنچی۔ (خصائل ص ۳۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسكاً قط عنی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجود مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطریا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھی۔ اسحق بن راہویہ فرماتے ہیں ” اِنَّ تِلْكَ كَانَتْ رَآئِحَتُهُ بِلا طِيبٍ کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجودِ اقدس و مطہر ہی کی تھی، نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ ریحہ الذاتية لا المكتسبة (مناوی ج ۲ ص ۱۹۲) آنحضور ﷺ کا وجود مبارک طیب و مطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گذرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گذرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرّ فی طریق من طرق المدينة و جدوا منه رائحة الطيب و قالوا مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هذا الطريق (اخرج البزار و ابو یعلیٰ) حضور سیدِ دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے، تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پا کر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پالیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گذرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا فجاءت امہ بقارورة تجمع فیہا عرقہ فسألها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقالت نجعله فی طینا و هو اطیب الطیب۔ تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں۔ آنحضور ﷺ نے اس پسینہ کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملا دیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ قالت یا رسول اللہ نرجو برکتہ لصبیاننا قال اصبت وروی البخاری نحوه کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہو جائیں گے۔ شفیق امت مومنوں پر رؤف ورحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام سلیم! تو نے سچ کہا۔

صاحب مرقاة فرماتے ہیں: وفيه استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحين قيل لما حضر انس بن مالک الوفاة اوصى ان يجعل في جنوبه من ذالک الطيب یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے۔

حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے:

قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الاولى ثم خرج الى اهله وخرجت معه فاستقبله و لدان فجعل يمسح خدي احدهم واحداً واحداً واما انا فمسح خدي فوجدت ليدہ برداً وريحاً كما ما اخرجها من جونة عطار (رواه مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ پس جو بچے آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا، میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبیہ سے نکلی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی ہریرة قال جاء رجل الى النبی صلی

اللہ علیہ وسلم فقال انی زوجت ابنتی و احب ان تعیننی قال ما عندی شیء و لکن اتنی بقارورة واسعة الرأس و عود شجرة فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلت العرق من فرائعہ حتی امتلئت القارورة قال خلها و أمر بتک ان تغمس هذا العود فی القارورة و تطیت به فکانت اذا تطیت یشم اهل المدينة رائحة الطیب فسموا بیت المطین۔ (اخرج ابو یعلیٰ والطبرانی فی الاوسط و ابن عساکر)

ابو ہریرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جا اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب کبھی وہ اس پینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا۔

ابراہیم بن اسماعیل مزنی نے حضرت جابر سے روایت کی ہے :

انه اردفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالتقت خاتم النبوة بفسی فکان شیم علی مسکا۔ یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آرہی تھی

(۳۳۲/۴) حَلَّتْنَا قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيدٍ وَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْنَةَ هُوَ الضَّبِيُّ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمِ الْعَلَوِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ أَثْرٌ صُفْرَةٌ قَالَ وَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُهُ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهُ

يَدْعُ هَذِهِ الصُّفْرَةَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید اور احمد بن عبدہ غصنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

راوی حدیث (۶۱۳) سلم العلویؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہ اثر صفرة..... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھی، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے۔ ولو هنا شرطية أو للتمنى، والظاهر ان هذا الرجل كان ممن يخشى منه مخالفة النبي صلى الله عليه و سلم فاعزالي أحد الصحابة أن يكلموه (اتحافات ص ۳۷۲) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف متصور تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارہ فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کر لیں)

ترکِ مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لا یکاد یواجه حضور ﷺ : اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور

اس کے جانے کے بعد یہ تمنا کی۔ اس میں بھی

فرماتے ہیں، لان مواجہتہ ربما تفضی الی الکفر

اور غیۃ عنہ یکفر و فیہ مخافة نزول العذاب والی

(مناوی ج ۲ ص ۱۹۳) (اس لئے کہ اس کو منہ در منہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی

نوبت ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور

آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے

اور اس صورت میں عذابِ خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو

اس لئے ترکِ مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرورِ دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو غایتِ شفقت و حیا کی وجہ سے منع

نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام

کرنے کو حضور سرورِ عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی

کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف

غصہ کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ گرام اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا،

اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور

اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

(۲۳۳/۵) حَلَّتْنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَارٍ حَلَّتْنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي

إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ وَأَسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنْ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَابًا فِي الْأَسْوَاقِ

وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَغْفِرُ وَيَصْفَحُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحاق کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابو عبد اللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ تکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرمادیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۱۴) ابی عبد اللہ الجدلیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح :

فاحشاً، جس کے اقوال، افعال، اعمال، صفات میں قباحت، بد خلقی اور بخیلی ہو، استعمال فی القول اکثر (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشاً جو خواہ مخواہ فحش گو بنے، لگی بندھی مجلس بنائے، ای متکلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو بٹھانے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کر دی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جا کر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملا علی قاریؒ کا ارشاد :

علامہ ملا علی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامہ و فعلہ و المتفحش بتکلف الفحش و یعمدہ ففت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم الفحش و المتفحش بہ طبعاً و تکلفاً (جمع ج ۲ ص ۱۹۴) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی اندازِ تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور

منحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے ام المؤمنینؓ نے فحش اور منحش ہونے کی نفی فرمادی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شور و شغب سے مکمل اجتناب :

ولا صحاباً فی الاسواق صحاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیخنے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ : فی التوراة محمد عبدی لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخوب فی الاسواق تورات میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانیؒ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں : نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ بُرائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کر دیتے تھے۔ تورات میں خدانے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اونچی آواز سے بولتا ہے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کر دیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسنیة یعنی اور نہ بُرائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگزر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بداخلاقی،

برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرمادیتے۔ حضور پاک شفیق امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزار ہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ صاحبِ روضِ نظیف فرماتے ہیں: **يَعْفُو وَيُصْفَحُ عَنْ جَانِ جَنِي كَرَمًا وَيَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَاءَ يَعْتَذِرُ.....** یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرمادیتے اور درگزر فرماتے اور جو کوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے۔

عفو درگزر:

و لكن يعفو و يصفح : عفو کے معنی ترک عقوبۃ المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کر دینا) اور صُفْحُ کا معنی اعراض عن تشریب المذنب (مجرم کے جرم و قصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ او المراد يعفو بباطنه و يصفح اى يعرض بظاهره..... و ذلك منه طبعاً و امثالاً لقوله سبحانه و تعالى فاعف عنهم و اصفح و حسبك عفوه و صفحه عن اعداءه الذين حاربوه و بالغوا في ابدانه حتى كسروا رباعيته و شجوا وجهه و ما من حلیم الا و قد عرف له زلة او هفوة تخلش في كمال حلمه الا المصطفى فانه لا يزيدہ شدة الايذاء له و الجهل عليه الاعفوا و صفحاً (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) (یا يعفو و يصفح کا مطلب یہ کہ آپ اندرونی طور پر معاف کر دیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورت حال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صُفْحُ اور درگزر فرمائیے۔ آپ ﷺ کے عفو و درگزر فرمانے کے حالات و واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی و شافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفو اور درگزر کرنے کا معاملہ فرمایا۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ و جدل ایذا رسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم و بردباری کے کمال کو مخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی

اس کے تحمل عفو اور درگزر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)۔
 برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے نہ دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھر پور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت، یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو، تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد ﷺ اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقتِ معین پر مجھے دیدو تو میں قیمتِ پیشگی اب دیدوں اور وقتِ معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی نعین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلوں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمدؐ! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بگ رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈرنہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا، لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دیدینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنے ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علامتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بنانا ہوں اور میرا آدھ مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔ (جمع الوسائل)

(۳۳۳/۶) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْنَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَلَا امْرَأَةً.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحاق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدة نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو ماضرب بیدہ سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا۔

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں شئی سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگ احد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضرت کے ہاتھ مبارک سے اُبی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہو سکتا ہے۔ نیز حدود و تعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضور پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یضرب مع وجود اسباب الضرب لأن الحلم کان طبیعته و کظم الغیظ کان سببیتہ۔ (اتحافات ص: ۳۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادت مبارک تھی)

شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: هذا النفس مندرج تحت نفی العام الا انه خصه بالذکر اتماما بشانہ و وجہہ ان ضرب الزوجة و الخادم و ان کان مباحا

للاذب فترکہ افضل۔ یعنی یہ نفی، نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے، مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے۔

البتہ علامہ ملا علی قاریؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، قالوا بخلاف الولد فالاولی تأدیہ و الفرق ان ضربه لمصلحة تعود علیہ فلم یندب العفو بخلاف ضربہما فانہ لحظ النفس فندب العفو عنہما مخالفة لہوی النفس و کظماً لعیظہا (جمع ج ۲ ص ۱۹۵) (فقہاء کرام) بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود (اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل و بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بوجہ ایسی مصلحت کے ہوتا ہے جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو و درگزر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگزر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۷) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الصَّبِيِّ حَدَّثَنَا فَضِيلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظَلَمَهَا قَطُّ مَالٌ يُتَّهَكُّ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ فَإِذَا انْتَهَكَ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ كَانَ مِنْ أَسْلِهِمْ فِي ذَلِكَ غَضَبًا وَمَا خَيْرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَالٌ يَكُنْ مَائِمًا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدہ رضی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروہ سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 حرمت کی ہتک ہوتی، تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔
 حضور اقدس ﷺ جب کبھی دوامروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو
 اختیار فرماتے، تا وقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔
 راوی حدیث (۶۱۵) فضیل بن عیاضؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں
 ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

مارایت حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں
 دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصراً کا مصدر انتصار
 ہے، جس کا معنی ہے بدلہ لینا، انتقام لینا، غائب ہونا، مظلماً جو ناحق تجھ سے لیا جائے، اگر
 لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ستم کے ہیں، وقیل بالكسر والفتح الظلم وهو وضع الشئ
 فی غیر محلہ (جمع ج ۶ ص ۱۹۶) (ملا علی قاریؒ مظلماً بکسر اللام وفتحہ) کا معنی یہ بیان
 کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبہ سے گھٹانا، یتھک، انتھاک سے
 ہے، جس کے معنی ہیں پھاڑنا، کھینچ کر کاٹ ڈالنا، فضیحت و رسوائی کرنا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی
 زیادتی کی، حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما
 دیا۔ علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی
 کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے، معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس
 کی معذرت قبول کرتے، کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگزر کرتے اور
 فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں،
 مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگِ احد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر

پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید و گیا اور چہرہ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدو وادو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدو دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسهل الامرين کو اختیار کرنا :

وما خیر بین امرین حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امور کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوری نے دینی اور دنیوی امور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ وفی معنی ذلک الاخذ برخص اللہ تعالیٰ ورسولہ و رخص العلماء مالم يتبع ذلک بحيث تنحل ربقة التقليد من عنقه۔ (مواہب ص ۲۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
(سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ
کی گئی ہو)

(۳۳۶/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ
فَقَالَ بَشْرُ ابْنِ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَالَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ يَا
رَسُولَ اللَّهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ
النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم
کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروہ سے اور انہوں
نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ
شخص اپنے قبیلہ کا کیسا برا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت
مرحمت فرمادی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ
چلا گیا تو حضرت عائشہ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حاضر
ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور
اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی
بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔ استاذن رجل بعض نے کہا کہ یہ شخص عیینہ بن
حصن الفزاری تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، ولایعد تعدد القضية ولم یکن
اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاهراً (جمع ج ۲ ص ۱۹۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد
ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

”رجل“ کون تھا :

بشیر ابن العشیرة او اخو العشیرة یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا اخ

فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفع مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ بہ نیت اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کر دیا تا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص: ۳۱۲)

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ ویس ذلك غيبة بل هو من النصيحة و الشفقة على الامة ليعرف حال المقول عليه على ان عينه كان اذا ذاك منزل

الایمان مضمیر النفاق بدلیل انه اظهر الردة بعد المصطفى صلی اللہ علیہ وسلم و جنى به ابى بكر اسيراً فكان الصبيان يصيحون به فى ازقة المدينة هذا الذى خرج من الدين فيقول عمكم لم يدخل حتى خرج فكان ذلك القول من المصطفى صلی اللہ علیہ وسلم علما من اعلام النبوة ومعجزة له لاخباره بغيب وقع۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۹۹) اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال و حال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانواڈول اور اس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے قیدی کی حیثیت سے جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا چچا داخل اسلام کب ہوا تھا۔ پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاء کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق مععلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں، حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ حضرت حسنؑ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحب ہوئی، دوسرا فاسق مععلن، تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

ان من شر الناس اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بدترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔ یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔ یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں

اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمد و رفت چھوڑ دیں۔ جس سے اگرچہ نقصان ہے، مگر حضور اکرمؐ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاء کرامؒ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معین کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں، وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ ملا علی قاریؒ نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بین المداراة و المداہنة ان المداراة بذل الدنيا لصالح الدنيا او الدين او هما معا و هي مباحة وربما تكون مستحسنة و المداہنة بذل الدين لصالح الدنيا (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی و درستگی کے لئے خرچ و قربان کرنا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعاً) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنی دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

أصول جرح و تعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا روایان حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تاکہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرامؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اصول تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ يَعْنِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَچھا آدمی ہے، اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں

الغرض! حدیث کے باب میں اصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثین جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقہ، ثبت یا عالم وغیرہ کہتے ہیں۔

(۳۳۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَجَلِيَّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ مِّنْ وُلْدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنَىٰ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ لِابِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَأَلْتُ أَبِي عَنْ سِيرَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُلْسَاتِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبُشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيْنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا صَخَابٍ وَلَا فَحَاشٍ وَلَا عِيَابٍ وَلَا مُشَاحٍ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي وَلَا يُؤَيِّسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيبُ فِيهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثِ الْمِرَآءِ وَالْإِكْبَارِ وَمَا لَا يُعْنِيهِ وَ تَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَلْمُ أَحَدًا وَلَا يُعِيْبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلْسَاؤُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤْسِهِمُ الطَّيْرُ فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ انْصَتُوا لَهُ حَتَّى يَفْرُغَ حَدِيثَهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثٌ أَوْلَهُمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ وَ يَصْبِرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَ مَسْئَلَتِهِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ وَيَقُولُ إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفُئُوهُ وَلَا يَقْبَلُ الشَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُّكَافِيٍّ وَلَا يَقْطَعُ عَلَىٰ أَحَدٍ حَدِيثَهُ حَتَّىٰ يَجُوزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيِ أَوْ قِيَامِ -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت

ابو عبد اللہ تھی۔ وہ حضرت حسن بن علیؑ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور و طریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلانے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے نا اُمید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں فرماتے تھے، مگر وہی جس سے ثواب کی اُمید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات، جس بات سے سب حضرات ہنستے۔ آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تا آنکہ حضور ﷺ کے صحابہ، مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی

ای سریع العطف کثیر اللطف جمیل الصفح مع السکون والوقار والنخسوع والخضوع
وعلم الخلاف۔ (مواہب ص ۲۵۸)

(۴) لیس بفظ ولا غلیظ، فظ کا معنی سخت کلام، بد خلق، غلیظ کا معنی تند خو، ای یحمل

احدهما علی فظاظة اللسان والآخر علی فظاظة القلب۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (ان میں سے
ایک کو تو زبان کی بد گوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظًا
الْقَلْبِ لَا نَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران: ۱۵۹) اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے
، تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای لیس فیہ جفاء ولا غلظة۔
(اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ میں اکھڑ پن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) ولا صخب ولا فحاش نہ تو آپ چیخ کر چلا کر بات کرنے اور شور و شر
کرنے والے تھے اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس کثیر الصخب
ای الصیاح ولا يعرف الفحش ولا یقع منه۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

(۶) ولا عیاب ولا مشاح ای لا یعیب غیرہ ابدا۔ (اتحافات ص ۳۷۶)
یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش
کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط۔ (اتحافات ص ۳۷۶) حتی کہ کھانے میں بھی عیب
گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا
معلوم ہوا تو نوش فرمایا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنی زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے
والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا، حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور
نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور
حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتہی، جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے، پسند نہ فرماتے، گو وہ
حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس
کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے

فکر مندی بے معنی ہے۔ ای یظہر الغفلة والاعراض عما لا یستحسنہ من الاقوال والافعال تلطفاً باصحابہ ورفقاً بہم۔ (مواہب ص ۲۵۸) (یعنی جو اقوال و افعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلافی اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض و روگردانی اختیار فرمادیتے)

(۸) و لا یؤنس منہ ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب و محبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا، تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کو حصول و استعمال کی اجازت دیتے تھے۔

علامہ بیجوری لکھتے ہیں ای لایجعل غیرہ آنسا مما لایشتہیہ ولا یقطع رجاءہ منہ (مواہب ص ۲۵۸) ولایجیب فیہ ' یہاں بھی فیہ کی ضمیر ' ما لایشتہیہ کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے، مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہ جاتے، بل یسکت عنہ عفواً و تکرماً، بلکہ از روئے عفو و کرم خاموشی بھی اختیار فرمالتے تھے۔ یا نرم اور میٹھے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) وقد ترک نفسہ من ثلاث ' حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعہا من خصال مذمومة۔ (مواہب ص ۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔ (۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا ای الجدال ولو بحق لحديث من ترک المراء وهو محق بنی اللہ له بیتاً فی ربض الجنة۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (اگرچہ وہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مد مقابل سے) جھگڑنا لڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ وسط جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنا دیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خِصَامُ (البقرة: ۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ (۲) والا کبار، یعنی خود کو بڑائی، تکبر، رعونت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے، ہمیشہ تواضع و انکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے۔ ای من استعظام نفسہ فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی

معاشرۃ مع الناس۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفات مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے) اور حدیث میں انا سید ولدِ آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحدیثاً بنعمة المولیٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان و اظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لا افتخاراً ولا استعظاماً بمقتضی الہوی۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) خواہش نفسی، عجب و خود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر و غرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثر کا لفظ منقول ہے۔ ای من الکلام و المال (اتحافات ص ۳۷۶) (یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لایعنیہ یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ با معنی، با مقصد اور بہ قدر ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مؤمنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ۔ (المؤمنون: ۳) (جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے..... من حسن اسلام المرء ترکہ ما لایعنیہ (مواہب ص ۲۵۹) (انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) و ترک الناس من ثلث، تین امور ایسے تھے، جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔ (۱) کان لایذم احداً، یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے ای مواجہة ولا غیر مواجہة (۲) ولا یعیبہ ای فی الغیبة، یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں ای لایذم فی الامور الاختیاریۃ المباحة و لایعیب فی الاطوار الخلقیۃ الجلیۃ كالطول و القصر و السواد و امثالها۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیار یہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات و ہیئات جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ

ایک دوسری روایت میں 'ولا یعیبرہ نقل ہوا ہے، من التعمیر وهو التوبیخ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) و لا یطلب عورتہ یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں: ای عورة احد وهی ما یتحی منه اذا ظهر فالمعنی لا یتحرک ما یرید الشخص ستره و یخفیہ الناس عن الغیر۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۴) (کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ عیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، و فیہ تنبیہ علی ان من دأب اهل کمال ان لا یصرحوا بمعایب ارباب النقصان ولا یتجسسوا علی الوقوف علی فجور ارباب الذنوب۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۰۴) (اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر یا اخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے عیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ و ترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسہ من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصہم لان القصد بہذہ الثلاث رعایتہم کما ان القصد بالثلاثة الاول رعاية نفسه فلذلك لم یقل ترک نفسہ من ستة ولم یعلمها مما ترک نفسہ منها فسقط قول البعض الاعیان لافرق بینہما یقتضی تفاوت البیان (مناوی ج ۲ ص ۲۰۴) (آپ ﷺ نے ترک الناس میں ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرمادیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مد نظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت و حفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے متروکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیان فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا

نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر و ثواب ہوتی تھی، یعنی گفتگو مبارک، با مقصد، نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی ای فی الشئی النافع المطلوب (اتحافات ص ۳۷۶) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات، کوئی فعل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا، جس پر اجر و ثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) واذا تکلم اطرق اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو حاضرین مجلس نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت بے خیالی اور بے جا ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ ای ارخوا رؤسہم الی الارض و نظروا الیہا و اصغوا الیہ لاستماع کلامہ و لسروہم و ارتباح ارواحہم بحدیثہ (مواہب ص ۲۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل و جان کو تسکین و راحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے تھے) والطیر لایقع الا علی ساکن ساکت قال

اذا حلت بنولیت عکاظا

رایت علی رؤسہم الغرابا

(مناوی ج ۲ ص ۲۰۵)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بنولیت عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں تو ان کے سروں پر (بوجہ خاموشی و سنجیدگی) گویا کہ کوئے بیٹھے ہیں)

اطرق، اطراق سے ہے، خاموش ہونے، چپ رہنے، نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، الاطراق ان یقبل بصرہ الی صدرہ ویسکت ساکتاً (نہایہ) (اطراق کا معنی کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و کقولہم اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القری (کافیہ ص ۳۶) (اطراق کا معنی سر کو

جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجب نے بحث منادی میں اطرق کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القریٰ کہ اے کرا گردن خم کردے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کردے۔ بے شک شتر مرغ بستیوں میں (گرفتار کر کے پہنچایا جا چکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرین مجلس آپ ﷺ کی صحبت مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپ کی نظر فیض آثار اور توجہات عظیمہ و عنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدس کے علوم و معارف، افادات و نصائح، ارشادات و ہدایات اور انوار و تجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب صحابہ کرامؓ حسب ضرورت باہم گفتگو کرتے، فیہ ایماۃ الی انہم لم یکنوا یتدوون بالکلام و لایتکلمون فی اثناء حدیثہ کما ہو مقتضی الادب۔ (جمع ج ۲ ص ۲۰۵) اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو ابتداءً بالکلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضی ادب و احترام ہے)

(۱۳) لا یتنازعون عندہ الحدیث جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب حضرات صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذات اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اسی قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح ڈالتے اور نہ باہم الجھتے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، لانہ لا ینبغی التنازع ولا التخاصم فی حضرته۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

ومن تکلم عندہ جو کوئی بھی بارگاہِ قدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی برکت تھی کہ حاضرین و خدام آدابِ مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کر لیتا، تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے

کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے فلا یتکلم عنده اثنان معاً ولا یقطع بعضهم علی بعض کلامہ لانہ خلاف الادب۔ (مواہب ص ۳۵۹)

(۱۲) حدیثہم عنده حدیث اولہم بارگاہ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اولیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ ای یتحدث عنده ماجاء اولائم من بعدہ علی الترتیب (اتحافات ص ۳۷۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور شخصیت اولین کی بات ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ اول کہنے والے نے جو کھد یا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرام مباحات میں متحد الاراء ہوتے تھے، جو غایت محبت و انس کی علامت ہے۔

(۱۵) یضحک مما یضحکون منہ حضور اقدس ﷺ امراء حکمرانوں اور متکبرین کی طرح اپنے رفقاء کار خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لمحے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل و تفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہ رضیں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے، ای موافقة لهم و تطیباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

(۱۶) یصبر للغریب ... حضور اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے انداز سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ

آدابِ مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جاوے جا
سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا، مگر حضور اقدس سرورِ دو
عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفو و درگزر فرما
کر انتہائی صبر، تحمل، بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے
فقد ورد ان المومن الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاهم افضل ممن یعتزلہم و قد
کان صلی اللہ علیہ و سلم اعلی الناس فی ذلک مقاما فقد اتاہ ذو الخویصرۃ
التمیمی فقال یا رسول اللہ اعدل فقال و یحک و من یعدل اذا لم اعدل فقد خبت و
خسرت ان لم اعدل فقال عمر یا رسول اللہ ائذن لی أضرب عنقه فقال دعه رواہ
البیہقی عن ابی سعید۔ (مواہب ص ۲۶۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ
مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ
افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس
سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ ذوالخویصرۃ تمیمی جب
آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! انصاف فرمائیے آپ نے جو اباً ارشاد
فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل و انصاف نہیں کر سکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل
و انصاف کر سکے اور پھر تو میں خسارہ و نقصان میں رہا اگر میں عدل و انصاف نہ کر سکوں۔ تو
(اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یا رسول اللہ! کہ میں اس کی گردن
اڑا دوں تو آپ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) و یقول اذا رأیتم آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے
تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، فارفدوہ ای ساعدوہ فی
توصلہ الی حاجتہ (مناوی ج ۲ ص ۲۰۷) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی
میں)

(۱۸) و لا یقبل الشاء عام طور پر منہ سامنے مدح و تعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ
بطور شکر یہ واداء احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ

احسان کا شکر یہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ اور فریضہ ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے، ای لا یقبل مدیحاً الا من انسان احسن الیہ و ماسوی ذلک اعرض عنہ و اشاح بوجهہ (اتحافات ص ۳۷۶) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح و توصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان و بھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) و لا یقطع علی احد آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو کو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرمادیتے یا اٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سننا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی حتیٰ یجوز اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، من المجازاة ای حتی یتجاوز الحد او الحق و فی نسخة حتی یجور من الجور ای حتی یجور فی الحق بان یمیل عنہ (مواہب ص ۲۶۰)

فیقطعه بنھی او قیام، تو نرم لہجے، حکمت اور موزون طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اٹھ کر چلے جاتے۔ اما بنھی له عن الحدیث ان افاد بان لم یکن معاندا او قیام من المجلس ان کان معاندا۔ (یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے) و فی هذا الحدیث مالا ینحی من نہایة کماله صلی الله علیه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رافته و رحمته و عظیم اخلاقه۔ (مواہب ص ۲۶۰)

(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات، نرم دلی، لطف و کرم، حلم و صبر، عفو و درگزر، شفقت و رحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۳۳۸/۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَبِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ مَا سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمال سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔ یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا، اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرمادیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرماویں۔ غرضیکہ نہ نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرمادیتے۔ یہی حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گزرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے، مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کر، اگر میرے پاس کچھ آ یا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور و معروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاقِ حمیدہ و جلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِي تَشْهَدِهِ
لَوْ لَا التَّشْهَدُ كَانَتْ لَأَوْهَ نَعْمَ

(جمع ج ۲ ص ۲۰۸)

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشہد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشہد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

زفت لا بزبان مبارکش ہرگز

بجز در اشہد ان لا الہ الا اللہ

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال و جواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے، لاجد ما احملکم علیہ (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اور قبیلہ اشعریوں کے وفد کو فرمایا واللہ لا احملکم و غیرہما (قسم بخدا! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کر سکتا) شیخ ابراہیم بیجوری نے اس سوال کے جواب کو ان الفاظ میں اشارہ کر دیا۔ والمراد انه لم يقل لامنعاً للاعطاء فلاننا فی انه قاله اعتذاراً ان لاق الاعتذار كما فی قوله لا اجد ما احملکم علیہ او تادیباً للسائل ان لم یلق به الاعتذار كما فی قوله للاشعر بین واللہ لا احملکم فهو تادیب لهم لسؤالهم ماليس عنده مع تحققهم ذلك ومن ثم حلف حسماً لطمعهم فی تکلیفہ التحصیل مع علم الاضطرار الی ذلک (مواہب ص ۲۶۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال و روایات کے جن میں بطور معذرت کے کبھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعریین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللہ لا احملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ و تادیب مقصود تھی کہ تمہیں

باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں: المعروف أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يسأل عن شئ إلا كان يعطى سائله الحاجة المطلوبة، أو يدعو له، أو يبعده بها ثم يوفى له ما وعد به (اتحافات ص ۳۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرما دیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرما دیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کر دیتے)

(۳۳۹/۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِمْرَانَ أَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلَخَ فَيَأْتِيهِ جِبْرِيلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهِ جِبْرِيلُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبید اللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیل تشریف لا کر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سُناتے اُس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

راویان حدیث (۶۱۶) عبداللہ بن عمران (۶۱۷) ابراہیم بن سعد (۶۱۸) اور (۶۱۸) عبید اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتبِ جود و سخا :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجود الناس شيخ احمد عبد الجواد الدومى فرماتے ہیں، كانت مراتب جوده صلى الله عليه وسلم ثلاثة (۱) الجود العادى وهو فوق جود البشر (۲) جود اعلى منه وهو فى رمضان (۳) جود اكر و اكثر، و كان عند ما يلقى جبريل و يدارسه القرآن، والجود فى المحسوسات و المعنويات، وقد استفاضت الأخبار فى أن الدنيا لم تسكن قلبه أبدا لقد كان يعطى عطاء الملوک، بل عطاء من لا يخشى الفقر أبدا۔ (اتحافات ص: ۳۷۸)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے۔ (۱) جودِ عادى یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (۲) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلیٰ ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (۳) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔

باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر و فاقہ کا فکر و غم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت :

و كان اجود ما يكون فى شهر رمضان اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے۔ یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر

مال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے۔ کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی۔ اُس کو مرحمت فرمادی۔ قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور اداءِ قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا (باوجود بخشش و عطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے۔ اَجْوَدُ مَا يَكُونُ . كَانُ كَا اسم ہے اور فی شہرِ رمضان خبر ہے اور ما مصدر یہ ہے یعنی كَانُ كَوْنُهُ اَجْوَدُ كَانًا فِي رَمَضَانَ یعنی آنحضرت ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا۔ چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایات بے پایان کو حاصل کرتے۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لہذا حضور ﷺ ان کا شکر بجالانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات مُتَخَلِّقُ بِاخْلَاقِ اللّٰهِ تھی۔ لہذا سنت الہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال و متاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں وہ كَانُ کی خبر ہوگی اور كَانُ کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور :

فیاتیہ جبریل رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہو کر آپ ﷺ

کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے، ان جبریل کان يعارضه القرآن في كل سنة مرة و انه عارضه العام الوصال مرتين، جس برس وصال ہوا۔ اس میں دو (۲) مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فیاتیہ میں فاعل تعلیل ما سبق کے لئے ہے، یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی۔ اسی سبب اجودیتہ اتیان جبرئیل لہ کل لیلۃ من رمضان۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۰۹) اجود بالخیر من الريح المرسلۃ، تو اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگا سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ عبدالرؤف تحریر فرماتے ہیں و عبر بالمرسلۃ اشعارا بدوام ہوبہا بالرحمة وعموم النفع بجود المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کما تعم المرسلۃ سائر مامرت علیہ۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۱) اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلہ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور برستی ہے۔ بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کا جو دو کرم، سخاوت و رحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہو جاتے ہیں)۔ اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤف بیان کرتے ہیں، والحلیث مسوق لیسان اتیان الملائکۃ الی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت (مناوی ج ۲ ص ۲۱۱) (در اصل حدیث کے اسلوب بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خدا تعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبت صالحین :

وفیه ان صحبة الصالحین مؤثرۃ فی دین الرجل وعلمہ ولذالک قالوا

لقاء اهل الخیر عمارة القلوب (مناوی ج ۲ ص ۲۱۱) اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اور علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذ مسائل :

وفیه نذب اکتار الجود فی رمضان و مزید الانفاق علی المحتاجین فیہ و التوسعة علی عیالہ و اقاربہ و محبہ و عند ملاقات الصالحین و عقب مفارقتہم شکراً لنعمة الاجتماع بهم و مدارس القرآن و جواز المبالغة والاعیاء فی الکلام کما ذکرہ القرطبی۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۱)

اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو، اور مسکین و نادار لوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اور اپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اور ان کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ و خوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے، تاکہ صالحین نیکوکار لوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پورا پورا حق اور شکر یہ بجالایا جاسکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہئے

ورحم اللہ صاحب البردہ حیث عبر عن جودہ بالزبدۃ فی قوله

فان من جودک الدنیا و ضررتها

و من علومک علم اللوح و القلم

(جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح و قلم آپ

کے علموں میں سے ہیں)

(۲۴۰/۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ

مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخِرُ شَيْئًا لِغَلِيهِ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يدخر شيئاً لغد، حضور اقدس ﷺ آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ بھی آنحضور ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما دیتے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔ الشیخ یوسف النبھانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت، زکوٰۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دوپہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے ہاں رات نہیں گذاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔ اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ ﷺ اہل وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ بھی کسی ضرورت مند کو نہیں دے دی۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں :

ان عدم الادخار آية عظيمة على اعظم التوكل والايتار وهما من محاسن الاخلاق (مناوی ج ۲ ص ۲۱۳) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل

بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ ففی الصحیحین انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یدخر لاهلہ قوت سنتہم (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل و عیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحین حدیث اس کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے اہل و عیال کے لئے، تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ ادخار لغد نہیں فرماتے تھے۔ اور اہل و عیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔ اور یا اس لئے تاکہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور متجددین (کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، لکمال توکلہ علی ربہ و قد یدخر لعیالہ قوت سنتہم لضعف توکلہم بالنسبۃ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم و لیکون سنۃ للمعلین (عیالدار) من امتہ و للمتجددین من اہل ملتہ، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے اہل و عیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے لا یدخر شیئا لغد علی الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والاولی ای یجمع بانہ کان یدخر لہم قوت سنتہم ثم من جودہ و کرمہ علی الوافدین والمحتاجین کان یفرغ زادہم قبل تمام السنۃ (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، و بیانا لجواز

الادخار فادخارہ لم یکن لخشیۃ العلم بل لاجل الکرم (مناوی ج ۲ ص ۲۱۲) (ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا ذخیرہ کر لینا صرف بیان جواز کے لئے ہو تو گویا حضور ﷺ کا ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقت ضرورت) لوگوں سے جود و کرم کا برتاؤ کیا جاسکے) حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجہ مناسبت الحدیث بعنوان الباب ان الکریم والوجود والتوکل والاعتماد علی واجب الوجود دون الخلق من کمال الخلق (جمع ج ۲ ص ۲۱۳) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم سخاوت توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرمادیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی۔ اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوا یا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگالیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگادیتی (خصائل)

(۳۴/۱۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ الْقُرَوِيُّ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلَكِنْ ائْتِعْ عَلَيَّ فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَ اللَّهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ أَقْبَلِيهِ فَنَبَّسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَرَفَ الْبُشْرُفِيَّ وَجْهَهُ لِقَوْلِ

الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ قَالَ بِهَذَا أَمْرٌث۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت مند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آجائے گا تو میں ادا کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اُس کا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے، اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰ (۶۲۰) ابی اور (۶۲۱) ہشام بن سعد کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلو اگر سائل کی حاجت پوری کر دیتے :

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما عندی شیء حضور اقدس ﷺ نے

فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای لیس فی ملکی شیء موجود۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (یعنی میرے ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے یعنی مطلوبہ چیز حسب ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر

خدمت ہوتا، اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوادیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائیگی فرمادیتے۔

جو دو سخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے۔ اس کو ارشاد فرمایا انفق بلا لاولا تخش من ذی العرش اقلال۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو۔ ضرور تمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا اوجبشی! میں نے کہا حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ

اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائیگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں روپوش ہو جاؤں گا۔ جب آپ ادائیگی فرمادیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آتے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزار لی، مکان پر تشریف نہیں لئے۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اس کے بارے سے آپ کو سبکدوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو اسے عطا فرمادیا، فما كلف الله مالا تقدر عليه۔ پس اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر

آپ کو قدرت نہیں ہے، مکلف نہیں بنایا، یعنی من امرہ بالشراء و وعدہ بالقضاء (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) (اس شخص کو یہ کہہ دینا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کر دوں گا) یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطا و بخشش کے ہے۔ سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کہنی پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواری خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلاف شریعت تھی بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای من حیث استلزامہ قنوط السائل و حرمانہ

لالمخالفتہ للشرع۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۴)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا :

فقال رجل من الانصار انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ! خراج کیجئے کسی قسم کا خوف صاحبِ عرش سے نہ کیجئے، اقللاً ای شیئاً من الفقر و زاد فی التاج ان معناه الافتقار و الاحتیاج (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) یعنی کسی قسم کا فکر و اندیشہ یا غم نہ کیجئے، و انفق و لوفوق طاقتک (اتحافات ص: ۳۷۹) (اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو) اللہ کریم اپنی بارگاہِ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔ انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ طبیعت اور چہرہ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا، جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رُخ انور پر فرخندگی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔ و عرف فی وجہہ البشر ای الطلاقة والبشاشة (مواہب ص ۲۶۳) فانفرجت اساریر المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و عرف

البشر فی وجہہ۔ (اتحافات ص ۳۷۹) بھذا امرت۔ یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کمی کا خوف نہ کروں، ای لا بقول عمر کما افادہ تقدیم الجار والمجرور والمعنی بالانفاق الذی قالہ الانصاری امرت لا بالمنع الذی قالہ عمر۔ (مواہب ص ۲۶۳) (یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا جیسے کہ یہی معنی جار مجرور (یعنی بھذا) کی تقدیم سے معلوم ہو رہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں)

اخذوا سنباط :

شیخ ابراہیم البجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من هذا الحدیث أنه صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایة الكرم و الجود و مما ینبغی التبه له أن کل خصلة من خصال الفضل قد احل اللہ نبیہ فی اعلاھا و خصه بذروة سناھا (مواہب ص ۲۶۳) (اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق و عادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلند ترین خصلت پر ہونے کا حکم و ارشاد فرمایا ہے)

(۳۳۲/۱۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرَّبِيعِ بِنْتِ مَعُوذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطْبٍ وَ أَجْرٍ زَعْبٍ فَأَعْطَانِي مِلًّا كَفَّهُ حُلِيًّا وَ ذَهَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبد اللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ ربیع کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی تیلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرجمت فرمایا۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قناع ' مراد طبق ہے جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب ' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر ' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خر بوزہ یا لکڑی اس کی جمع جواء اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع ' اجریہ آتی ہے۔ زغب نرم روئیں بال اور پر کا نکلنا اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد لکڑی ہے جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زریور سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۳۲۳/۱۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ہدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

کان یقبل الهدیۃ حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے بدلے مٹھی بھر زریورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ویشب خیرا منہا کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوریؒ باب ہذا کے آخر میں بطور تنبیہ کے لکھتے ہیں :

واعلم ان اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم و ہدیہ و سیرتہ ہی المیزان الاکبر فتعرض علیہا الاشیاء فما وافقہا فهو المقبول وما خالفہا فهو المردود (مواہب ص ۲۶۴)

(یہ بات بخوبی معلوم کر لیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرت مبارکہ یہی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال و کارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے۔)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَيَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظ حیاء کا لغوی معنی تغیر و انکسار ہے۔ (جمع ج ۲ ص ۲۱۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنی بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے منقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنی میں آتا ہے۔ شرعاً حیاء کے معنی ہیں، ہو خلق یبعث علی تجنب القبیح و یحض علی ارتکاب الحسن و مجانبۃ التقصیر فی حق ذی الحق (مواہب ص ۲۶۳) یعنی وہ خلق ہے جو افعالِ قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو۔ حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحبِ حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو۔ حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیا سے ماخوذ ہیں، و کلاهما ماخوذ من الحیاة فان احلها حیاة الارض والآخر حیاة القلب (جمع ج ۲ ص ۲۱۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات و زندگی ہے)

حیاء کی فضیلت و اہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے 'الحیاء شعبة من الايمان حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ان لكل دین خلقا، وان خلق الاسلام الحیاء۔ (ابن ماجہ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے، اور اسلام کا خلق حیاء ہے۔ حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے، الحیاء من الايمان والایمان فی الجنة (ابن ماجہ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہونا ہے۔ عمران بن حصین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، الحیاء لایاتی الا بخیر۔ (بخاری)

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے 'الحیاء کله خیر (مسلم) یعنی
 حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ ایک اور ارشاد ہے 'لا دین لمن لا حیاء له (جس میں
 حیاء نہیں ہے، اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے۔ غایتِ اہتمام غرض
 تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے۔ ولعل
 الافراد فی الترجمة اشارة الى عظم شأنه (اتحافات ص ۳۸۱) (اور اس کو مستقل عنوان سے
 ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) ولان به حسن العشرة للخلق
 والمعاملة للحق (موہب ص ۲۶۲) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق
 کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضور اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر
 نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے، اگر اپنی منشا کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں
 کناپوں میں کہتے۔ قضاء حاجت کی ضرورت پیش آتی، تو لوگوں سے دور کسی میدان میں
 چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے، جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے۔ شیخ
 عبدالرؤف نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے، جیسا
 کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ
 ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر ان کا
 بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے، کبھی اندر تشریف لاتے تھے، مگر شرم کی
 وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورہ احزاب کے اخیر کے قریب
 اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ
 بولنا بھی دشوار ہوتا ہے.....

شوق افزوں مانع عرضِ تمنا دابِ حُسن
 بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریق احسن و اولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)

امام ترمذی نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۳۲/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعُرَاءِ فِي خِطْبَتِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفَنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابوسعید خدری کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم و حیا میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہارِ ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۶۲۲) عبداللہ بن ابی عتبہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقام حیا :

کان اشد حياء العراء دوشیزہ باکرہ کنواری اور درنا سفتہ کو کہتے ہیں

اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لتعذر و طیہا (مواہب ص ۲۶۳) (عذراء کے ساتھ اس لئے مسکئی کی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور معذرت ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم و حیاء رکھتے تھے جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے ہیں، وہ پردہ جو لڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔ لڑکی کے لئے مکان کا مخصوص حصہ رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ و هو ستر يجعل للبكر في جانب البيت لتستر به حتى عن بعض النساء (جمع ج ص ۲۱۶) (ملا علی قاری خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جو کمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تاکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحین حدیث نے اس کا ایک معنی یہ لیا ہے۔ اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم و حیاء طبعاً موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی، تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجہ اتم موجود ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے جس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی محلوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجہ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنی شارحین حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شبِ عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم و حیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالرؤف کا ارشاد :

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، وفيه ان الحياء من الاوصاف المحموده ای مالم ينته الي ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترك اقامة حد والا كان مذموماً و حياءه صلى الله عليه وسلم كان مبراً من ذلك كله (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷) اور اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصاف محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری نامردی، حق سے نکلنا اور اقامت حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے، اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حیاء تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور مبرا تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کره شیاً اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوار خاطر ہوتی تو اس کا اثر رخ انور سے معلوم ہو جاتا۔ وكذا العنراء فی خلدھا لاتصرح بکراهة الشئ بل یعرف ذلک فی وجھھا غالباً وبھذا ظھر وجہ ارتباط هذه الجملة بالتي قبلھا۔ (مواہب ص ۳۶۳) (اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحتاً نہیں کرتی بلکہ عمومی طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ما قبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہوگئی)

(۳۳۵/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلَى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا نَظَرْتُ إِلَى فَرَجِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ فَرَجَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے اسے موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے ام المؤمنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیاء اور تستر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محل شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۶۲۳) موسیٰ بن عبد اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشة ما نظرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محلِ شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محلِ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اٹھا کر لارہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔ (ملخصاً من المناوی وغیرہ ج ۲ ص ۲۱۳)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس ﷺ کے چھپنے (سنکیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (چھپنے لگوانا) :

الحجامة، چھپنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنی اونچائی بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام چھپنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔ الحجامة ہی شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و ہی مایحجم بہ۔

(اتحافات ص ۳۹۳) (حجامت کا معنی جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال موٹڈ نے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں چھپنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حلق ہی حجام (چھپنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام حلق کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حلق کو ہیں۔ چھپنے لگوانا آپ ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیئے ہیں۔

معالجہ توکل کے منافی نہیں :

باب ہذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں چھپنے لگوانے کے مختلف واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے معمولات میں معالجہ بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہذا معالجہ اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضور اقدسؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہو سکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے چھپنے لگوانے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفي حجامته صلى الله عليه وسلم اقرار لمبدأ التداوى والعلاج

ولامنافاة بین الأخذ بالأسباب والتوکل علی اللہ۔ (اتحافات ص ۳۸۳) (اور نبی کریم ﷺ کے چھپنے لگوانے میں دوا اور علاج و معالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اسباب و ذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم ترکہ توکلاً فضیلة و لا ینا فیہ فعل المصطفیٰ وهو سید المتوکلین لانه انما فعله للتشريع كما تقرر (مناوی ج ۲ ص ۲۱۴) (ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتلانے کی ہدایت ہے)

توکل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب و اولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تقویٰ کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر موثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے.....

از قضا سر کنکبیں صفر افزود روغن بادام خشکی مے نمود

مقدراتِ الہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا

بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحب کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفصیل شیخین کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحب کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا، مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۲۶/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَأَلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحِجَامِ فَقَالَ أَنَسُ إِخْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجْمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ أَوْ إِنْ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے اسمعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو طیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابو طیبہ کا تذکرہ :

ابوطيبة ا اسمہ نافع و كان مملوكا لبني حارثة او لابی مسعود الانصاری۔
(اتحافات ص ۳۹۳) و خطأ الحافظ ابن حجر من قال كالنورى لبني بياضة اسمہ نافع على الصحيح و قول البغوى ميسرة رد بانه اشتبه عليه باسم ابى جميلة الراوى حديث الحجامه و قول ابن عبد البر اسمہ دينار وهموه فيه لان دينار الحجام تابعى روى عن

ابی طیبة لا ابو طیبة نفسه انتھی۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷)

منشأ سوال :

سنل انس بن مالک حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔ لہذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ ولعل الباعث علی هذا السؤال ورود الخبر بخبث کسب الحجام (اتحافات ص ۳۹۳) (اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب واجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی ”حرمت“ سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیاناً کوئی حجامت کرے تو جائز ہے، لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ عملاً آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابو طیبة نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ ابو طیبة کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک

تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔
 فذلّ ذلك على حله لانه لو كان حراماً لم يعطه وماورد من النهى عنه فهو للتزیه و
 هو المراد بكونه خبيثاً۔ (مواہب ص ۲۶۵) (تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے
 دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا
 حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر
 ہے تو وہ نبی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت
 میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد فی رواية من تمر (مواہب ص ۲۶۵)
 معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم
 صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک :

و کلم اہلہ حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس
 پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیدہ منہم فی التخیف عنہ (مواہب ص ۲۶۵) ابو
 طیة کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا
 اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا، یعنی عبد مازون بنا دیا تھا، وہ کماتا، محنت مزدوری
 کرتا، تین صاع تمر مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بیج کے رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ
 کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا
 اس سے بے بس لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا
 ہے۔ اپنے جذبہ صادقہ کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت و امداد اور بھرپور عنایت کی صورت میں
 ظاہر فرمایا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں و هذا یفید عنایة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 بالحجام۔ (مواہب ص ۵۱۳)

چھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو، وہ چھنے لگوانا ہے۔ بعض

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 شارحین اور علماء و محدثین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حریم شریفین کے لوگوں کے ساتھ
 خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں اس سے خون بنتا ہے، جو چھپنے لگوانے سے خارج
 ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے چھپنے لگوانا مستحب ہے
 شیخ احمد عبد الجواد الدومی فرماتے ہیں ولعل هذه الأفضلية تتبع الزمان والمكان

فالأجواء الحارة يناسبها الحجامة و غير الأجواء الحارة تتداوى بما يناسبها۔
 (اتحافات ص ۳۹۴) (اور شاید کہ) (چھپنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان و مکان اور آب
 و ہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو
 اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج و معالجہ سے کام لیا جائے (اطباء
 نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں ضرورت پڑنے
 پر فصد ان کے لئے مفید ہے و اهل البلاد الباردة فالفصد لهم اولی (مواہب ص ۲۶۵)
 (اور ٹھنڈے و سرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذ مسائل :

علامہ البیجوری فرماتے ہیں، ویؤخذ من الحدیث التداوی بل سنہ و اخذ الأجرة
 للطیب و الشفاعة عند رب الدین (مواہب ص ۲۶۶) (حدیث شریف سے علاج و معالجہ اور
 اس کے طریقہ اور طبیب و ڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز
 معلوم ہوتا ہے)

 (۳۴۷/۲) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ
 الْأَعْلَى عَنْ أَبِي جَمِيلَةَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَأَمَرَنِي
 فَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ أَجْرَهُ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم
 کو اسے ابو داؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبد الاعلیٰ کے حوالہ سے
 یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو جمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؑ سے نقل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۴) ورقاء بن عمر اور (۶۲۵) ابی جملہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؑ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کر دی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وهو الصاعان السابقان (مواہب ص ۲۶۶) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع سابقہ)

(۳۲۸/۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَظْنَهُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ عَلَيَّ الْأَخْدَعَيْنِ وَبَيْنَ الْكُفَّيْنِ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدة نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شععی اور انہوں نے اسے عبد اللہ بن عباس سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباس چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس

وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابو طیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اجرت سینگ لگانا چاہئے تھا۔

علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں، محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخذ عین ! تشبیہ ہے اس کا واحد اخذع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ ہما عرقان فی جانبی العنق۔ (موہب ص ۲۶۶) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخذع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۳۳۹/۴) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَّمَهُ وَسَأَلَهُ كَمْ خَرَجُكَ فَقَالَ ثَلَاثَةٌ أَضْعُ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَاعْتَاهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحاق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگ لگانے والے کو بلایا، جس نے آپ ﷺ کے سینگ لگائی۔

حضور اکرم نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا، تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کر دیا اور سینگلی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔
راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیٰ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی ابوطیبہ کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۳۵۰/۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُلُوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعِ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاحِدَى وَعِشْرِينَ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے بیان کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگلی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷ یا ۱۹ یا ۲۱ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمد کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتجم في الاخدعين..... یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے

تھے۔ کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع کو اہل آتی ہے، یعنی دونوں کندھوں کے درمیان، و هو مقدم اعلى الظهر مما يلي العنق و هو الثلث الاعلى و فيه ست فقرات و قيل ما بين الكتفين و قيل الكتد و قيل موصل العنق قال ابو زيد هو للانسان خاصة ويستعار لغيره (مناوی ج ۲ ص ۲۲۳) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گڑھے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابو زید کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

چھپنے لگوانے کے خاص ایام :

و كان يحتجم لسبع عشرة اور حضور اقدس ﷺ ۱۷/۱۸/۱۹ اور تاریخ کو چھپنے لگواتے تھے۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث واقع ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں چھپنے لگوانا بیماری سے صحت و شفا کا باعث ہے۔

علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا چھپنے لگوانا قوت حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔ لہذا اللہ جل جلالہ کا اسم پاک لے کر چھپنے لگوایا کرو اور جمعرات جمعہ ہفتہ اور اتوار کو چھپنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن چھپنے لگوایا کرو، جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن چھپنے لگوانا مکروہ ہے۔

شیخ ابن حجر نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن چھپنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے، جبکہ ۱۹۱۷ یا ۲۱ کو یہ دن آئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب ماڈے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سستی مادہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔ (خصائل)

خلاصہ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دُموی علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا، اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجوم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقیناً ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۳۵۱/۶) حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلِّ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے حوالہ سے اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر -----
 اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
 حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ
 ہے) حالت احرام میں پشت قدم پر سینگ لگوائی۔

پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم حالت احرام میں سینگ لگوانا
 بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اکھڑیں
 فیہ حل الحجامۃ للمحرم حیث لا ازالۃ شعر والا حرمت بلا ضرورۃ (مناوی ج ۲ ص
 ۲۲۲) ان روایات میں سینگ کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں
 میں سینگ کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا
 استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگ کے زیادہ نافع ہے اور
 بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں
 ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اُس ملک کے لئے سینگ زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ
 موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور
 اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آ جاتی
 ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی
 کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف
 امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں
 دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرون بدن میں چلی جاتی
 ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض
 میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرون بدن گرم زیادہ
 ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں
 سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔

اسی وجہ سے اہل حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔
 - سینگلی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے،
 اسلئے سینگلی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرون بدن سے اور رگوں سے
 خون کھینچتا ہے، اس لئے فصد وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ
 کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔ (خصائل) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی
 اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :

و قال صاحب الهدی التحقیق فی امر الفصد و الحجامة انهما یختلفان
 باختلاف الزمان و المكان و المزاج و الحجامة فی الازمان الحارة و الاماکن الحارة
 و الابدان الحارة التی دم اصحابها فی غایة النضج انفع و الفصد بالعکس و لهذا
 كانت الحجامة انفع للصیان و لمن لا یقوی علی الفصد و یؤخذ من هذا ایضا ان
 الخطاب لغير الشیوخ لقللة الحرارة فی ابدانهم و قد اخرج الطبرانی بسند صحیح الی
 ابن سیرین قال اذا بلغ الرجل اربعین سنة لم یحتجم (جمع ج ۲ ص ۲۲۰) (صاحب الهدی
 حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان و مکان اور مزاج کے مختلف
 ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں۔ اور حجامت (چھپنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں
 اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے
 اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج
 والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (چھپنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ
 کھولنے (نشر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے۔
 اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ
 دوسرے لوگوں کو ہے۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ طبرانی نے سند صحیح
 کے ساتھ امام ابن سیرین سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس
 سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر چھپنے نہ لگوائے۔

=====



رُومے زیبا ﷺ کی تاپا بنیاں

مولانا عبدالقیوم حقانی

محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُفیس، اقسام و احکام، مانگ، تیل، کنگھی،
سرے، لباسِ مسنون و اعتدال، لباسِ فقر و فاخرہ میں فرق، گذرانِ اوقات،
مجموعہ فقر و غنا اور رومے زیبا کے موضوع پر شمالی ترمذی کے اڑتالیس (۲۸)
احادیث کی مفصل توضیح و تشریح.....

صفحات : 160 قیمت : -/75 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

سرحد پاکستان فون : (0923)630237 فیکس : 630094

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسر قرآن، شارح حدیث

حضرت العلامة مولانا قاضی محمد زاہد الحسنیؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون و وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 قیمت : -/180 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

مجلات القیوم صحافی کی تصنیفات

